دینی، علمی، اصلاحی اور تحقیقی ماہنامہ

جلد: ۳۷
شمارہ: ۲

مجلہ محدث بنارس

جمادی الآخرۃ
۱۴۴۰ھ
فروری ۲۰۱۹ء

سرپرست
عبداللہ سعود سلفی

مدیر
محمد اسلم مبارک پوری

نائب مدیر
مولانا عبدالمتین مدنی

معاون مدیر
مولانا محمد ایوب سلفی

مجلس مشاورت

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی
مولانا محمد مستقیم سلفی
مولانا علی حسین سلفی
مولانا رفیق احمد رئیس سلفی
ڈاکٹر عبدالصبور مدنی

اس شمارہ میں

اs۔اللہ کے رسول کون ہیں؟.....	عبداللہ سعود سلفی	۲
۲۔رب کریم کا بے پایاں کرم	مولانا عبدالمتین مدنی	۵
۳۔اپنی خودی پہچان	مدیر	۷
۴۔کلمۂ طیبہ کا معنی ومفہوم....	ڈاکٹر شمس کمال انجم	۱۰
۴۔بڑے بوڑھوں کے حقوق	ترجمانی: رفیق احمد رئیس سلفی	۱۴
۵۔امتحان میں اعلی نمبروں کا حصول...	ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر مدنی	۱۸
۶۔ابوالفضل جلال الدین رحمانی	مولانا مطیع اللہ محمد اسحاق سلفی	۲۲
۷۔بیوہ خاتون کے احکام ومسائل	مقبول احمد سلفی	۲۹
۸۔ویلنٹائن ڈے اور اس کی شرعی...	محمد غفران سلفی	۳۵
۹۔منشیات کی حرمت	کاشف شکیل سلفی	۳۸
۱۰۔عالم اسلام	ظل الرحمن فائق سلفی	۴۴
۱۱۔اخبار جامعہ	ادارہ	۴۵
۱۲۔باب الفتاوی	دارالافتاء	۴۶
۱۳۔نظم	نیر واحدی	۴۸

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK,** KAMACHHA, VARANASI
A/c No. 2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547, SWIFT Code: ALLAINBBVAR

بدل اشتراک سالانہ

ہندوستان:	**250**	روپے
بیرون ممالک:	**50**	ڈالر
فی شمارہ:	**25**	روپے

مراسلت کا پتہ

Darut Taleef Wat Tarjama, B.18/1-G, Reori Talab, Varanasi - 221010

www.mohaddis.org

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

اللہ کے رسول کون ہیں؟

(بشر یا کوئی دوسری مخلوق)

عبداللہ سعود سلفی

[قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ] (سورۃ احقاف:۹)

''آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی بالکل انوکھا رسول تو نہیں ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے۔اور میں ایک صاف صاف خبردار کردینے والے کے سوا اور کچھ نہیں ہوں''۔

اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ:

(۱) اللہ تعالی نے آپ سے پہلے بھی انبیاء ورسل کو مبعوث فرمایا اور سب کا کام اللہ کا پیغام پہنچانا تھا اور تمام انبیاء ورسل روز آخرت یعنی قیامت کی ہولنا کی اور حساب وکتاب سے آگاہ کرنے والے تھے۔

(۲) آپ علیہ الصلاۃ والسلام بھی گذشتہ رسولوں کی طرح ہی ایک رسول ہیں۔

(۳) اور یہ کہ حساب وکتاب اللہ کے ہاتھ میں ہے وہی سب کا حساب کرکے جنت یا جہنم میں داخل کرے گا۔ پیغمبر ورسول کے ہاتھ میں حساب وکتاب نہیں ہے۔

[أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ] (سورہ ابراہیم:۹۔۱۱)

''کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی خبریں نہیں آئیں جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔یعنی قوم نوح کی اور عاد وثمود کی اوران کے بعد والوں کی جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان کے پاس ان کے رسول معجزے لائے''۔

یعنی قوم نوح اور عاد وثمود کے علاوہ بہت سی قومیں ایسی گذری ہیں جن کے حالات تاریخ میں قلمبند نہیں ہیں۔ان قوموں میں بھی اللہ نے رسول کو مبعوث فرمایا ہے۔

تمام انبیاء ورسل بشر تھے۔اور ہم انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔اس لیے آپ بھی تمام رسولوں کی طرح بشر ہیں۔

اللہ بیان کرتا ہے اور اس کا بیان برحق ہے کہ [قَالُوا إِنْ أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا] کہ ''قوم کے لوگوں نے کہا کہ تم کچھ نہیں ہو مگر ویسے ہی انسان جیسے ہم ہیں''۔یعنی تم ہم جیسے انسان ہی ہو۔

[قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ

مِّثْلُكُمْ وَلَـٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا أَن نَّأْتِيَكُم بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ]

''ان کے رسولوں نے ان سے کہا یہ تو بالکل سچ ہے کہ ہم کچھ نہیں ہیں مگر تم ہی جیسے انسان، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔ اور یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر تمہیں کوئی معجزہ لا دکھائیں''۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء ورسل انسان تھے اور اللہ کے حکم کے تابع تھے۔

جس طرح ہر رسول کی رسالت پر شک کیا گیا اسی طرح محمد ﷺ کی رسالت کے بارے میں آپ کے زمانہ کے لوگوں نے بھی اعتراض کیا کہ رسول انسان نہیں ہوسکتا۔

[وَقَالُوا مَالِ هَـٰذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا] (فرقان:۷)

''اور انہوں نے کہا کہ یہ کیسا رسول ہے؟ کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا کہ وہ بھی اس کے ساتھ رہتا اور (نہ ماننے والوں کو) ڈراتا''۔

سورہ انبیاء:۷۔۸ میں اللہ نے فرمایا:

[وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ، وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ]

''تم سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے سبھی مرد تھے، جن کی طرف ہم وحی اتارتے تھے۔ تم لوگ اگر علم نہیں رکھتے تو اہل کتاب سے پوچھ لو۔ ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور وہ ہمیشہ جینے والے نہیں تھے''۔ (یعنی ان پر موت طاری ہوئی)۔

حضرت عیسی مسیح ابن مریم علیہما السلام جن کو اللہ نے بغیر باپ کے پیدا کیا، وہ بھی رسول تھے۔ [كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ] (سورہ مائدہ:۷۵) ''دونوں (ماں بیٹے) کھانا کھایا کرتے تھے''۔

سورہ آل عمران:۱۴۴ میں فرمایا:

[وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ]

''محمد اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ مرجائیں یا قتل کردیئے جائیں تو تم لوگ اپنے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟''

[قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَـٰهُكُمْ إِلَـٰهٌ وَاحِدٌ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا] (سورہ کہف:۱۱۰)

''آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے۔ تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو، اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے پروردگار

کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے“۔

یہ آیت بتارہی ہے کہ آپ ہم انسانوں جیسے ہی ایک انسان تھے۔لفظ (مثلكم) سے ہر طرح کے شک وشبہات اورقرینہ ختم کردیا گیا یعنی خلقت میں جیسے عام انسان ہیں آپ بھی ان ہی کی جنس سے آدم کی اولاد میں سے ہیں۔ چالیس سال کی عمر میں آپ پروحی کا آغاز ہوااورآپ نبوت ورسالت سے سرفراز کیے گئے۔اللہ تعالی نے آپ کو بہت ساری خوبیوں سے نوازا۔آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک انسان ہیں اور جملہ انسانوں کے سردار ہیں۔ آدم علیہ السلام کی اولاد میں تمام انبیاء کرام بھی شامل ہیں۔ قال رسول اللہ ﷺ: أنا سيد ولد آدم يوم القيامة، أول من ينشق عنه القبر وأول شافع وأول مشفع. (صحیح مسلم:۲۲۷۸)

اللہ کے رسول ﷺ کا بیان ہے کہ بروز قیامت آدم کی تمام اولاد کا میں سردار ہوں گا۔ میں پہلا شخص ہوں گا جو قبر سے نکالا جاؤں گا اور شفاعت کے معاملہ میں بھی میں پہلا شافع ومشفع ہوں گا۔

حقیقت میں یہ سب سے بڑا اعزاز ہے جو تمام مخلوقات کے سامنے اللہ آپ کو نوازے گا۔

(جاری)

• • •

شوہر پر بیوی کا حق

حضرت معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہماری بیویوں کا ہم پر کیا حق ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ، اس کے چہرے پر مت مارو، نہ اسے بدصورت کہو اور اس سے گھر کے علاوہ کہیں علاحدگی اختیار نہ کرو۔

•••

عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ليس منا من لم يعرف حق كبيرنا ويرحم صغيرنا“ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو بڑوں کے حقوق کو نہ جانے اور چھوٹوں پر شفقت نہ کرے۔(مسند احمد:۱۱/۵۲۷)

•••

شیخ الحدیث رحمانی مبارک پوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ہم نے کبھی بھی اپنے استاد کا نام نہیں لیا، اگر کسی کا نام لینے کی ضرورت پڑتی تو پورے ادب کے ساتھ صرف نسبت سے پکارتے تھے۔ مثلا: مولانا محدث مبارک پوری۔

درس حدیث

رب کریم کا بے پایاں کرم

مولانا عبدالمتین مدنی

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: الصلوات الخمس والجمعة إلى الجمعة ورمضان إلى رمضان مكفرات لما بينهن إذا اجتنب الكبائر۔ (صحیح مسلم: ۲۳۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول نے فرمایا: ''پنج وقتہ نمازیں ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ اور ایک رمضان سے دوسرا رمضان تک اپنے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے جب کبیرہ گناہوں سے بچا جائے''۔

انسان خطا ونسیان کا پتلا ہے، وہ دانستہ ونادانستہ غلطیاں کرتا رہتا ہے، بعض غلطیاں بڑی ہوتی ہیں اور بعض چھوٹی، کبھی رب کی حدود کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو کبھی بندوں کے حقوق کی پامالی، غلطی کر کے کبھی وہ سنبھلتا ہے اور کبھی غلطیوں پر غلطیاں کرتا چلا جاتا ہے، کبھی اسے ندامت ہوتی ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتی۔ الغرض صادق ومصدوق علیہ السلام کا فرمان ''کل بنی آدم خطاء'' اس پر صادق آتا رہتا ہے۔

لیکن دوسری جانب رب کریم کا کرم یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو گناہوں کے دلدل میں دیکھنا نہیں چاہتا، اس لیے مغفرت کے بے شمار مواقع ان کو فراہم کر رکھا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث میں ایسے ہی چند مواقع ذکر کیے گئے ہیں۔

ہمارا رب کتنا رحیم وکریم ہے، پنج وقتہ نماز ہر مسلمان کو ادا کرنا ہے، نماز میں کوتاہی کرنے والا جمعہ تو ضرور پڑھ لیتا ہے اور رمضان کا روزہ شاید ہی کوئی بے توفیق چھوڑتا ہو، اب گناہوں سے مغفرت کے لیے ہمیں الگ سے کچھ کرنے کا پابند نہیں کیا بلکہ ہماری یہی نیکیاں ہمیں پاک وصاف اور صیقل کرتی چلی جاتی ہیں: [إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ] (ہود: ۱۱۴) یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں، یہ نصیحت ہے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے۔ اور فرمان نبوی ہے: ''واتبع السيئة الحسنة تمحها'' (سنن ترمذی، حدیث نمبر ۱۹۸۷) برائی کے بعد نیکی کرو، یہ برائی کو مٹا دے گی۔

یہ الگ بحث ہے کہ نماز وروزہ سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں یا کبیرہ گناہ بھی۔ اس حدیث سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان سے صرف صغائر معاف ہوتے ہیں اور کبائر توبہ یا رب کے فضل سے معاف ہوتے ہیں، البتہ صغائر کی معافی کے لیے کبائر سے بچنا ضروری یا شرط نہیں

ہے جیسا کہ شارحین حدیث نے تحریر فرمایا ہے۔

اس حدیث پر دو پہلو سے اور بھی غور کرنا چاہیے، پہلی بات یہ ہے کہ توحید ورسالت کے اقرار کے بعد اسلام کے باقی چار ارکان ہیں: نماز، روزہ، حج اور زکوۃ، آخر اس حدیث میں نماز اور روزہ کو ہی کفارہ کیوں ذکر کیا گیا، کیا حج اور زکوۃ نہیں؟ بلاشبہ وہ بھی کفارہ ہیں جیسا کہ اور ہر مسلمان ایسا نہیں ہے، اس لیے اس حدیث میں ایسے اعمال کو بطور کفارہ ذکر کیا گیا جن کو ہر مسلمان کرسکتا ہے، چاہے مالی اعتبار سے جس حیثیت کا بھی حامل ہو۔ یہ رب کریم کا کتنا بڑا فضل اس کے عام بندوں کے لیے ہے اس پر غور کریں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک نمازی روزانہ پانچ وقت کی نماز ادا کرتا ہے، پھر ہفتہ میں جمعہ پڑھتا اور سال میں ایک بار رمضان کا روزہ رکھتا ہے، اگر گناہ پنج وقتہ نمازوں سے معاف ہو گئے تو پھر نماز جمعہ اور صوم رمضان کے کفارہ ہونے کا کیا مطلب، اس کا جواب شارح صحیح مسلم امام نووی اور شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی مبارکپوری یہ دیتے ہیں: **فإذا تكرر يغفر بأولها الصغائر وبالبواقي يخفف عن الكبائر وإن لم يصادف صغيرة رفع به الدرجات .** (صحیح مسلم مع النووی:۱/ ۱۱۲)

اگر وہ تمام کفارہ والے کاموں کو ایک کے بعد ایک بجالاتا ہے تو پہلے کفارہ والے کام سے صغیرہ گناہ معاف ہوں گے اور باقی سے کبیرہ گناہ میں تخفیف کردی جائے گی اور اگر کسی صغیرہ یا کبیرہ کا ارتکاب ہی نہ ہو تو یہ اعمال درجات کی بلندی کا ذریعہ ہوں گے۔

یہ ایک عمدہ توجیہ ہے، لیکن اگر اس کو دوسرے پہلو سے دیکھا جائے تو ایک عمل روز کیا جاتا ہے، ایک ہفتہ میں ایک سال میں کفارہ تو تینوں میں صغائر کے ہی سہی اور صغائر کے بھی درجات ہیں۔ بعض صغائر کو انسان کرتا ہے پھر چھوڑ دیتا ہے اور بعض صغائر ایسے بھی ہیں جن پر انسان اصرار کرتا ہے۔ اگر یہ کیا جائے کہ پنج وقتہ نمازیں کسی وجہ سے کسی گناہ کا کفارہ نہ بن سکیں تو آنے والا جمعہ یعنی اس کا کفارہ بن جائے گی اور اگر اس نماز سے بھی اس کے گناہ نہ دھلے تو رمضان کا روزہ یقینا اسے گناہوں سے پاک وصاف کردے گا۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: **"من صام رمضان إيمانا واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه"** (صحیح مسلم: ۱۷۸۱) گویا یا رب کریم نے ہمیں یومیہ، ہفتہ واری اور سالانہ موقع فراہم کیا تاکہ کوئی نہ کوئی موقع بندہ کی مغفرت اور گناہوں سے معافی کا ذریعہ بن جائے۔

اور اس توجیہ کی روشنی میں رمضان کے روزوں کو بطور کفارہ پنج وقتہ نمازیں اور نماز جمعہ پر جو فضیلت حاصل ہے وہ واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان ایام سے فیض یاب ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

• • •

افتتاحیہ

اپنی خودی پہچان

مدیر

مذہب اسلام ایک فطری مذہب ہے۔اپنے عقائدونظریات،احکام وتعلیمات کے لحاظ سے دوسرے تمام مذاہب میں ممتاز ومنفرد ہے، کیونکہ یہ اللہ رب العالمین کامحبوب مذہب اور بنی نوع انسانی کے فطری تقاضوں کے مطابق ہونے کی وجہ سے ان کا پسندیدہ مذہب ہے۔اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب یاتو انسانی ذہن کی دریافت ہیں یا خودساختہ اصولوں کا مرقع ہیں یا تصحیف وتحریف شدہ ہیں۔بنابریں اسلام اپنی جامعیت اورابدیت کے لحاظ سے اپنے متبعین اور پیروکاروں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے عقائدونظریات،تہذیب وتمدن،ثقافت وکلچراورظاہری شکل وصورت میں بھی دیگر مذاہب کے ماننے والوں سے ممتاز ہوں۔ان کی اپنی الگ شناخت ہواور وہ ہراعتبار سے اپنا تشخص قائم رکھیں۔دنیا کے کسی بھی گوشہ اور سمائے نیلوفر کے تلے کسی بھی چپہ میں ہوں،اپنا تشخص اوراپنی ثقافت وکلچر سے پہچان لیے جائیں۔ان کے قول وگفتار،عمل وکردار اس چیز کے غماز ہوں کہ ان پر صرف خالص اسلامی تہذیب کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔یہی وہ تہذیب ہے جس کی جانب الہ العالمین نے اپنے کلام معجز میں اشارہ کیا ہے: [صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً] (البقرۃ:۱۳۸)اللہ کا رنگ اختیار کرلواور اللہ کے رنگ سے اچھا کون سارنگ ہوسکتا ہے؟

یہود ونصاری کا دستور تھا کہ جب وہ کسی آدمی کواپنے مذہب میں داخل کرنا چاہتے یا اپنے بچوں کوایک خاص عمر میں پہنچنے کے بعد یہودیت ونصرانیت کی تلقین کرتے تو کہتے کہ ہم نے اس پر اپنے مذہب کا رنگ چڑھا دیا ہے۔نصاری نے اس کے لیے’’زرد پانی‘‘ایجاد کیا تھا،جس میں وہ اپنے بچوں کواور ہراس شخص کوجوان کے مذہب میں داخل ہونا چاہتا تھا(اصطباغ)غوطہ دیتے تھےاور کہتے تھے کہ اس سے آدمی پاک ہوتا ہےاوراس کام پرفخراور بڑائی کرتے کہ ہمارے مذہب میں رنگت ہےاوردوسروں کو یہ رنگت نصیب نہیں ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے یہودیوں اورعیسائیوں کےاس عقیدے کی تردید کی ہےاور کہا ہے کہ تمہارا یہ عمل کوئی معنی نہیں رکھتا اور پروردگار عالم کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔اصلی رنگ تو اللہ کا رنگ ہے۔یہی

رنگ دین اسلام اور دین فطرت ہے اس لیے تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اسلام کے رنگ میں رنگو۔ اس کو اپنی زندگی میں جاری وساری کرو۔ اسی کے سانچے میں ڈھلو، کیونکہ جس طرح رنگ کپڑے کے ہر جزء میں پیوست ہوجاتا ہے اسی طرح اسلام اپنے ماننے والوں کے قلب وجگر میں پیوست ہوجاتا ہے اور اس کی حالت کو یکسر بدل دیتا ہے۔ زمانہ خیر القرون میں مسلمانوں نے اسی تشخص کو باقی رکھا۔ بعد کے ادوار میں بھی اسی تہذیب وثقافت پر قائم رہے اور اپنی دینی وقومی خصوصیات کو باقی رکھا۔

متعدد نصوص شرعیہ میں غیروں کی مشابہت اختیار کرنے کی سخت ممانعت آئی ہے۔ لین دین، رہنے سہنے، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے حتی کہ کپڑا پہننے، بال رنگنے اور پیشاب وپاخانہ کرنے میں بھی ان کی مخالفت کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کا الگ کلچر ہو۔ الگ تہذیب وتمدن ہو۔ دوسروں کی تہذیب وکلچر کو دیکھ کر ان کے اندر احساس کمتری کا بیج اگنے نہ پائے اور نہ ہی غیروں کی پیروی کا شوق پروان چڑھے۔

یاد رکھیے دوسروں کی تہذیب وثقافت کو اپنانے میں جہاں ان کی تعظیم وتکریم ہے وہیں اس میں یہ خاموش پیغام بھی پنہاں ہے کہ ہم نے اسلام کو فرسودہ سمجھ لیا ہے اور پوری امت کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ جب تک ہم مغرب کے شانہ بشانہ اور ان کے قدم سے قدم ملا کر نہیں چلیں گے ہم ترقی نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہمارا ترقی یافتہ قوموں میں شمار ہوگا۔

مغربی تہذیب کا ایک فیچر یہ بھی کہ وہ ان چیزوں کو جن سے اسلام نے چودہ سو سال قبل منع فرمادیا ہے ان کی ترویج واشاعت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتی۔ بے حیائی، بے حجابی، بدکاری، بدتمیزی، برائی اور زناکاری اس تہذیب کی شناخت بن گئی ہے۔ چودہ فروری کو منانے جانے والا ویلنٹائن ڈے اسی تہذیب بد کی عکاسی کرتا ہے جس میں محبت کے نام پر فحاشی کی تمام حدیں پار کردی جاتی ہیں۔ میڈیا، سوشل میڈیا اور ابلاغی ذرائع اس فحاشی کو عام کرنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہود ونصاری تو درکنار مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ جو مغربی تہذیب سے چمبک کی طرح سٹا ہوا ہے اور اپنے آپ کو لیبرل اور روشن خیال سمجھتا ہے، نہ صرف ''یوم عاشقاں'' کو یوم عید کی طرح مناتا ہے، بلکہ اس کے جواز کے دلائل فراہم کرنے کی جستجو میں لگا ہے۔

یاد رکھو! مذہب اسلام نے زنا کو حرام کرتے ہوئے ان کے ممکنہ وسائل کو بھی حرام کیا ہے اور ان کے قریب ہونے سے سختی سے روکا ہے۔ ارشاد ہے: [وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا] (الاسراء: ۳۲) زنا تو دور، زنا کے قریب مت جاؤ۔ یقیناً یہ فحاشی کا کام اور بہت برا راستہ ہے۔

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ مشرقی تہذیب جو اپنی سادگی میں تفوق اور امتیازی شان اور الگ پہچان رکھتی تھی وہ بھی اسی مغربی تہذیب کی دلدادہ اور رسیا بنتی جا رہی ہے۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی ہے کہ اس میں اس کے لیے کوئی کامیابی نہیں، بلکہ اس کے اپنانے سے زنا کاری اور عصمت دری میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے مگر پھر بھی اس کے پیچھے آنکھیں بند کر کے بھاگتی جا رہی ہے۔

> ہم مسلمانوں کو ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیے کہ اسلام نے جب ہمیں اتنی خوبصورت اور پیاری تہذیب دی ہے جو بنی نوع انسانی کی فطرت اور مزاج کے عین موافق ہے تو ہمیں دوسری قوموں اور ان کی تہذیبوں میں منھ مارنے کی کیا ضرورت ہے۔ خصوصاً مغربی تہذیب میں، جہاں نہ مروت ہے نہ محبت۔ جس کے برگ و بار میں نہ مٹھاس ہے اور نہ حلاوت، بلکہ عیاری، مکاری، خودغرضی اور بے اعتنائی کی وجہ سے زمانہ جاہلیت کی تہذیب سے بھی بدتر اور نکمی نظر آتی ہے۔

جاہلیت کے دبیز پردہ کو چاک کرتے ہوئے جب اسلام کی شعائیں پھوٹتی ہیں اور اسلامی تہذیب وا ہوتی ہے تو ان ناخواندہ سماج کو جو جانوروں سے بدتر زندگی گزارتے تھے، انہیں بہترین زندگی گزارنے کا سلیقہ عطا کیا اور ان کے دلوں میں ایسی روح پھونک دی جس نے پتھر دل اور قاسی القلب انسان کو موم سے بھی زیادہ نرم اور [رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ] کا پیکر بنا دیا۔ اسلامی تہذیب پاکیزہ اور نیچرل تہذیب ہے جو اختلاط اور اختلال کی آمیزش کو سخت ناپسند کرتی ہے۔ احساس کمتری کو دور کر کے نفس کی عزت، خودشناسی اور احساس خودی کو اجاگر کرتی ہے۔ خودآرائی اور خودنمائی سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی غیروں کی تہذیب وثقافت کو اپنے دامن میں جگہ دیتی ہے، اس لیے مسلمانوں کو اغیار کی تہذیبوں کی نقالی کی چنداں ضرورت نہیں، بلکہ خود کو اسلامی تہذیب وتمدن کے سانچے میں ڈھال کر اچھی زندگی گزارنا چاہیے اور اسی کا خوگر بننا چاہیے۔

● ● ●

کلمۂ طیبہ کا معنی ومفہوم

دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ڈاکٹر شمس کمال انجم
صدر شعبۂ عربی/اردو، باباغلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی راجوری، جموں وکشمیر

ایک غیر مسلم بزرگ پروفیسر میرے پاس آئے اور کہا ڈاکٹر صاحب! میں کچھ پڑھ رہا ہوں۔ سنیے اور دیکھیے کیا میں صحیح پڑھ رہا ہوں۔ جہاں جہاں غلطی ہو اس کی تصحیح بھی کیجیے۔ میں نے کہا پڑھیے کیا پڑھنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کلمہ پڑھنا شروع کیا۔ محمد اور رسول اللہ میں وہ غلطی کر رہے تھے۔ میں نے ان کی تصحیح کی اور تلفظ درست کرایا۔ جب وہ پڑھ چکے تو مجھ سے پوچھا کیا میں مسلمان ہوگیا؟ میں نے کہا کیا اس کے مفہوم پر آپ کا ایمان ویقین ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ آپ بالکل مسلمان نہیں ہوئے۔ مسلمان اس کا نام نہیں ہے کہ عربی کا یہ جملہ زبان سے ادا کرلیا جائے۔ بلکہ اس کے مفہوم کی دل سے تصدیق کرنے اور اس پر عمل سے انسان مسلمان ہوتا ہے۔

آج ہمارے یہاں بچوں کو بڑے اہتمام سے کلمہ یاد کرایا جاتا ہے۔ ان سے سنا جاتا ہے۔ اور پوچھا جاتا ہے کتنے کلمے یاد ہیں۔ پہلے کلمے سے لے کر سات یا دس کلمے تک۔ کم از کم تین تو یاد ہونا چاہیے۔ انہیں ایمان مجمل اور ایمان مفصل کی بھی عبارت یاد کرائی جاتی ہے۔ کچھ لوگ تو مفصل (بتشدید صاد) کی طرح مجمل (بسکون الجیم وفتح المیم الثانی) کو مجمل (بفتح الجیم وتشدید وکسر المیم الثانی) بولتے ہیں۔ اگر کسی مسلمان کو دو تین کلمے نہ یاد ہوں تو اسے بڑے عار اور شرم کا باعث سمجھا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے عجیب مسلمان ہے کلمہ تک یاد نہیں۔

دراصل کلمہ پڑھنے کا مفہوم یہ ہے کہ پڑھنے والے کو اس کا معنی ومطلب معلوم ہو۔ یہ کلمہ جن باتوں کا متقاضی ہے ان پر اسے یقین ہو۔ زبان کے ساتھ ساتھ دل سے اس کا اقرار واعتراف ہو۔ اس پر پورے اخلاص، صداقت اور محبت کے ساتھ پر عمل ہو۔

کلمے کا تقاضہ ہے کہ ہمیں معلوم ہو کہ اللہ کیا ہے؟ کہاں ہے؟ س کی ذات کیا ہے؟ اس کی صفات کیا ہیں؟ کیا وہ پہلے نہیں تھا اور کب وجود میں آیا ہے؟ کیا وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا؟ اگر ازل سے نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ وجود میں آیا اور وجود میں آنے کا مطلب ہے کہ وہ حادث ہے اور حادث کا مطلب ہے کہ اس کو فنا لازم

ہے۔یعنی ایسی صورت میں معاذ اللہ، اللہ کو بھی فنا لاحق ہوگا۔ کلمے کا تقاضہ ہے کہ ہمیں معلوم ہو کہ اللہ کی ربوبیت کا مطلب کیا ہے۔ اس کی الوہیت کا مطلب کیا ہے؟ اس کے اسمائے حسنی اور صفات علیا پر ایمان لانے کا مطلب کیا ہے؟ یہ ساری تفصیلات جاننے اوران تمام تفصیلات پر دل سے ایمان لانے اور ان پر عمل کرنے کو ایمان کہتے ہیں۔

یعنی اللہ تعالی کے بارے میں یہ ایمان ہونا چاہیے کہ اللہ تعالی ازل سے ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ابد تک یعنی ہمیشہ رہے گا۔اللہ کی ربوبیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی ہی اس کائنات کا خالق ہے، مالک ہے اور رازق ہے۔کفار مکہ بھی اس توحید کے قائل تھے اور اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ اللہ تعالی اس کائنات کا خالق ہے۔لیکن وہ پھر بھی مسلمان نہیں ٹھہرے کیونکہ اللہ تعالی کی الوہیت کے اعتقاد میں ان کے یہاں خلل تھا۔اللہ تعالی کی الوہیت کا مطلب یہ ہے کہ عبادت کے لائق صرف اللہ رب العالمین کی ذات واحد ہے۔کسی طرح کی عبادت میں اس کا ''کوئی'' بھی شریک نہیں۔قرآن سے یہ بات بہت وضاحت کے ساتھ ثابت ہے کہ کفار مکہ ربوبیت الٰہی کے معترف تو تھے مگر اللہ کی الوہیت میں بتوں کو شریک ٹھہراتے تھے اور انہیں عبادت کے لائق سمجھتے تھے۔ اسی لیے وہ کافر اور مشرک ٹھہرے۔اللہ کے اسماء اور صفات پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے یا اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کے لیے جتنے ناموں کا ذکر کیا ہے ان پر ایمان لایا جائے اور اس بات کا اعتقاد رکھا جائے کہ وہ اللہ تعالی کے لیے خاص ہیں۔ایک حدیث میں آیا کہ اللہ تعالی کے ننانوے نام ہیں۔جس نے انہیں گن لیا وہ جنت کا مستحق ہوگیا۔اس حدیث کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ کلمہ کی طرح اللہ کے ناموں کو گن کر یاد کر لینے سے بندہ جنت کا مستحق ہوجاتا ہے۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس بات پر ایمان ہو کہ اللہ کے جتنے نام ہیں وہ خاص ہیں اللہ تعالی کے لیے۔ان کے معانی خاص ہیں اللہ تعالی کے لیے۔اسی طرح اللہ تعالی کی جتنی صفات ہیں وہ سب کی سب اللہ تعالی کے لیے خاص ہیں۔ ان میں اللہ کے ساتھ کوئی بھی بندہ شریک نہیں ہوسکتا۔اس کائنات کی کوئی اور شے اللہ کی طرح نہیں ہے۔ اگر کوئی مسلمان یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ کی کسی صفت میں کوئی شریک ہے تو یہ شرک فی الصفات ہوا۔اگر یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ کی عبادت میں کوئی شریک ہے تو یہ شرک فی الالوہیت ہوا۔ اسی طرح یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ کے ساتھ اس کائنات کا کوئی اور خالق ہے یا یہ کائنات از خود وجود پذیر ہوگئی ہے تو یہ شرک فی الربوبیت ہے۔ یہ ہوا لا الہ الا اللہ کا مفہوم۔

اسی طرح کلمے کے دوسرے جزء یعنی محمد رسول اللہ کا مطلب ہے۔حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف اللہ تعالی کے آخری نبی اور رسول ہیں۔اگر ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کو بھی نبی مانتے

ہیں تو یہ بات کلمے کے مفہوم کے تقاضے کے خلاف اور ایمان کے نقائض میں شمار کی جائے گی اور ایمان میں خلل واقع ہوگا۔یعنی یہ ایمان رکھنا واجب ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کائنات کے آخری رسول ہیں۔رہتی دنیا تک کے لیے نبی اور رسول ہیں۔ان کے بعد اب کوئی اور نبی اور رسول آنے والانہیں۔

اس کے بعد اگر ہم ایمان مفصل کی بات کریں تو اس کے مطابق اللہ تعالی کے ساتھ اللہ کے فرشتوں،اللہ کی نازل کردہ کتابوں،اللہ کے دیگر رسولوں،یوم آخرت اور تقدیر پر ایمان لانے کو ایمان مفصل کہتے ہیں۔

اللہ تعالی پر،اس کی ذات باری پر،اس کی ربوبیت پر،اس کی الوہیت پر،اس کے اسماء وصفات پر ایمان لانے کے بعد ہر مسلمان کے لیے اس بات پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالی نے تین طرح کی مخلوقات بنائی ہیں۔انس وجن اور ملائکہ جنہیں ہم فرشتے کہتے ہیں۔انسان کو مٹی سے،جنات کو آگ سے اور فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیاہے۔فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب ہے کہ ہمارا ایمان ہو کہ ایک ایسی نوری مخلوق ہے جسے ہم فرشتے کہتے ہیں۔اللہ تعالی نے فرشتوں کو بے پایاں طاقت سے نوازا ہے اور وہ ہمہ وقت اللہ تعالی کی عبادت اور اس کے حکم کو بجالانے میں مصروف عمل رہتے ہیں۔ان میں کچھ خاص فرشتے ہیں۔اور کچھ عام۔خاص فرشتوں میں حضرت جبریل علیہ السلام فرشتوں کے سردار یعنی سید الملائکہ ہیں۔

اللہ تعالی کی کتابوں مثلاتوریت،زبور،انجیل اور ابراہیم اور موسی علیہما السلام کے صحیفوں پر ایمان کا مطلب یہ ہے کہ یہ ساری کی ساری کتابیں اللہ تعالی کی نازل کردہ ہیں۔ان میں جو کلام ہے وہ اللہ کا کلام ہے۔ان کتابوں پر اجمالا وتفصیلا ایمان اور عمل واجب ہے۔

انبیاء پر ایمان کا مطلب یہ ہے اللہ تعالی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بہت سارے نبی اور رسول مبعوث کیے۔جنہوں نے اپنی اپنی قوموں میں اپنی اپنی شریعتوں کی تبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ان تمام نبیوں اور رسولوں پر ایمان واجب ہے اور ان کا انکار موجب کفر۔یہ اعتقاد رکھنا جزء ایمان ہے کہ تمام انبیاء بشر تھے اور معصوم بھی۔ان میں سے کچھ کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور کچھ کا نہیں آیا ہے۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا کے آخری رسول ہیں۔آپ کے بعد کوئی اور نبی یا رسول مبعوث نہیں کیا جائے گا۔

لفظ نبی اور رسول میں ادنی سا فرق ہے۔جب یہ دونوں الفاظ ایک ساتھ ذکر کیے جائیں تو ان کا معنی مختلف ہوتا ہے اور جب الگ الگ ذکر کیے جاتے ہیں تو یہ مترادف ہوتے ہیں۔رسول اس شخص کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالی نے نئی شریعت کے ساتھ بھیجا ہو اور پوری امت میں اس کی تبلیغ کا حکم دیا ہو۔نبی اس شخص کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالی نے سابقہ رسول کی شریعت کی تبلیغ کے لیے مبعوث کیا ہو۔جیسے کہ بنی

اسرائیل میں حضرت موسی علیہ السلام کے بعد کئی انبیاء آئے اور انہوں نے حضرت موسی کی توریت اور شریعت کی تبلیغ کی۔یعنی رسول عام ہے نبی خاص ہے۔اسی لیے اللہ تعالی نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا(ترجمہ: محمد تم سے مردوں کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔احزاب ۴۰) نبیوں کے خاتم کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بعد رسول تو کیا نبی بھی نہیں آئے گا۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری رسول اور آخری نبی ہیں۔

یوم آخرت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ کائنات ایک دن ختم ہوگی۔ قیامت آئے گی۔اللہ تعالی قیامت کے دن سب کو اٹھائے گا، حساب کتاب کرے گا اور حسب اعمال ہمیشہ کے لیے جنت وجہنم کا فیصلہ کیا جائے گا۔

تقدیر پر ایمان لانے کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہورہا ہے۔خیر یا شر سب اللہ کا مقدر کیا ہوا ہے اور اس پر ایمان واجب ہے۔وہ تقدیر جس کا تعلق خیر سے ہے اس کا مطلب تو واضح ہے۔شر کو مقدر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شر کا تعلق عمل تخلیق شر سے نہیں بلکہ اس شر کے موجبات ومستوجبات سے ہے۔یعنی مثال کے طور پر اللہ تعالی نے سانپ بچھو، درندوں کے علاوہ بہت ساری بیماریاں، فقر وفاقہ وغیرہ پیدا کیے ہیں۔ان کی تخلیق کا عمل فی نفسہ شر نہیں ہے بلکہ یہ چیزیں انسان کے لیے شر ہیں۔اسی طرح اللہ تعالی نے بہت سارے گناہ فسق وفجور وغیرہ بھی پیدا کیے ہیں جو کہ شر ہیں لیکن اس کی نسبت اللہ کی طرف از راہ شر نہیں از راہ خیر ہیں کیونکہ اللہ نے ان کو کسی حکمت کے تحت پیدا کیا ہے۔کئی ایسے شر ہیں جو فی نفسہ شر ہیں لیکن ان میں خیر کا بھی پہلو ہوتا ہے۔اللہ تعالی نے فرمایا (ترجمہ: بحر وبر میں فساد پھیلنے کا انجام یہ ہے کہ اس سے لوگ اللہ کی طرف رجوع کریں۔الروم ۴۱)۔یعنی بحر وبر میں خرابی شر ہے لیکن اس شر کا نتیجہ اچھا ہے۔یعنی یہ شر حقیقی نہیں اضافی ہے۔اسی طرح بہت سارے گناہوں کی سزا دنیا ہی میں مقرر کی گئی ہے۔یہ سزائیں انسان کے لیے شر یعنی باعث تکلیف ہیں لیکن وہ اس طرح خیر ہیں کہ اس سے بندے کے گناہ دھو جاتے ہیں۔

یہ ہے کلمۂ طیبہ اور ایمان مجمل ومفصل کا مفہوم۔جس کا مطلب یہ ہے کہ صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینا، یا اس کا ورد کر لینا ایمان کے لیے کافی نہیں۔ بلکہ اس کی جزئیات کی تصدیق کے ساتھ ان کے لوازمات پر عمل جزء ایمان ہے۔یعنی

زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

☆☆☆

بڑے بوڑھوں کے حقوق

ڈاکٹر عبدالرزاق البدر
ترجمانی: رفیق احمد رئیس سلفی

دین اسلام دین حنیف ہے یعنی وہ غیر اللہ سے رشتہ کاٹ کر صرف اللہ سے رشتہ استوار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ روئے زمین پر اس کا ظہور اس لیے ہوا ہے تا کہ انسان کو اس کی زندگی کے آداب و سلوک، اخلاق و کردار اور حقوق و معاملات میں مکمل کردے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ (۱).

''میری بعثت اچھے اور عمدہ اخلاق کی تکمیل کے لیے ہوئی ہے''۔

دین اسلام نے جن عمدہ اخلاق اور اچھی عادات سے مزین ہونے کی تعلیم دی ہے، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ بڑے بوڑھوں کی عزت کی جائے، ان کے حقوق کی رعایت کی جائے اور ان کے سلسلے کے واجبات ادا کیے جائیں۔ اسلام نے حکم دیا ہے کہ عمر دراز لوگوں کا اکرام کیا جائے، ان کی عزت کی جائے اور ان کا احترام کیا جائے خاص طور پر ان ماہ و سال میں جب درازیٔ عمر کی وجہ سے ان میں عام کمزوری پیدا ہو چکی ہو اور وہ جسمانی، سماجی اور نفسیاتی اعتبار سے مدد کے محتاج بن چکے ہوں۔ بڑے بوڑھوں کی فضیلت اور ان کی عزت و تکریم کے سلسلے میں بہ کثرت نصوص موجود ہیں جن میں ان کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی عزت و تکریم پر ابھارا گیا ہے۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ حَقَّ كَبِيرِنَا فَلَيْسَ مِنَّا (۲).

''جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے بوڑھوں کا حق نہ پہچانے، وہ ہم میں سے نہیں''۔

اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے وعید ہے جو بڑے بوڑھوں کے حقوق نظر انداز کرتے ہیں اور ان کے تعلق سے واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں۔ ایسے حضرات نبی اکرم ﷺ کی بتائی ہوئی ہدایت پر نہیں ہیں اور نہ آپ کے طریقے پر کاربند ہیں۔

سیدنا ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

---

(۱) الأدب المفرد للامام البخاری، رقم الحدیث: ۲۷۳، امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ کریں: صحیح الأدب المفرد، رقم الحدیث: ۲۰۷

(۲) سنن أبی داود، رقم الحدیث: ۴۹۴۳، امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ کریں: صحیح سنن أبی داود، رقم الحدیث: ۴۱۳۴

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللّٰهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ وَالْجَافِي عَنْهُ ، وَإِكْرَامَ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ (۱).

''بلاشبہ بوڑھے مسلمان اور صاحب قرآن ، جو اس میں غلو وتقصیر سے بچتا ہو، کی عزت کرنا اور اسی طرح انصاف پرور حاکم کی عزت کرنا، اللہ عزوجل کی عزت کرنے کا حصہ ہے''۔

سیدنا ابو یحی انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن عبداللہ بن سہل اور محیصہ بن مسعود بن زید ساتھ ساتھ خیبر کی طرف گئے۔ان دنوں یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان صلح تھی ۔دونوں الگ الگ سمت چلے گئے۔تھوڑی دیر بعد جب محیصہ لوٹ کر عبداللہ بن سہل کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کا قتل ہو چکا ہے اور وہ خون میں لت پت پڑے ہیں۔انھوں نے ان کو وہیں دفن کر دیا اور مدینہ لوٹ آئے۔مدینہ پہنچ کر عبدالرحمن بن سہل اور مسعود کے دونوں بیٹے محیصہ اور حویصہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔عبدالرحمن نے گفتگو کا آغاز کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

كَبِّرْ كَبِّرْ ، وَهُوَ أَحْدَثُ الْقَوْمِ فَسَكَتَ فَتَكَلَّمَا فَقَالَ:تَحْلِفُونَ وَتَسْتَحِقُّونَ قَاتِلَكُمْ ؟ وذكر تمام الحديث (۲) .

بڑے کو بات کرنے دو، چوں کہ وہ سب سے چھوٹے تھے ،اس لیے خاموش ہوگئے۔پھر دونوں یعنی محیصہ اور حویصہ نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے بات رکھی۔آپ نے فرمایا:تم قسم اٹھا کر قاتل یا اپنے ساتھی کے خون کا استحقاق ثابت کرسکو گے؟(آگے راوی نے تفصیلی روایت بیان کی)۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَرَانِي فِي الْمَنَامِ أَتَسَوَّكُ بِسِوَاكٍ فَجَذَبَنِي رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ ، فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ الْأَصْغَرَ مِنْهُمَا فَقِيلَ لِي كَبِّرْ ، فَدَفَعْتُهُ إِلَى الْأَكْبَرِ (۳).

''میں نے خواب میں خود کو دیکھا کہ میں مسواک کر رہا ہوں۔اس وقت دو آدمیوں نے مجھ سے مسواک حاصل کرنے کے لیے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ان میں سے ایک دوسرے سے بڑا تھا۔میں نے چھوٹے کو مسواک دے دی تو مجھ سے کہا گیا کہ مسواک بڑے کو دیں، پھر میں نے مسواک بڑے کو دی''۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ مسواک کر رہے ہیں۔پھر آپ نے مسواک اسے دی جو حاضرین میں سب سے بڑا تھا اور یہ فرمایا:

إِنَّ جِبْرِيلَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنِي أَنْ

(۱) سنن أبي داود، رقم الحديث: ۴۸۴۳،امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ملاحظہ کریں: صحیح سنن أبي داود، رقم الحديث: ۴۰۵۳

(۲) صحيح البخاري، رقم الحديث:3173،وصحیح مسلم، رقم الحديث:۱۶۶۹

(۳) صحيح البخاري، رقم الحديث:۲۴۶،امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو معلقاً ذکر کیا ہے ،صحيح مسلم، رقم الحديث:۲۲۷۱،امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موصولاً ذکر کیا ہے،الفاظ حدیث صحیح مسلم کے ہیں۔

أُكَبِّرَ (١).

''جبریل علیہ السلام نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں کوئی چیز پہلے بڑے کو دیا کروں''۔

ان کے علاوہ بھی کئی ایک نصوص اور دلائل ہیں جن سے نبی اکرم ﷺ کی سنت اور آپ کے اسوہ حسنہ کی نشان دہی ہوتی ہے۔ یہ اور ان جیسی دیگر احادیث سے یہ پیغام ملتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ بڑے بوڑھوں کا احترام کریں، بزرگوں کے حقوق پہچانیں اور ان کے ساتھ ادب سے پیش آئیں۔ اس سنت نبوی پر عمل کرنے کی صورت یہ ہوگی کہ چھوٹے اپنے بڑوں کا احترام بجالائیں، ان کی عزت وتکریم کریں، ان کی قدرومنزلت اور حقوق پہچانیں، ہر معاملے میں ان کی بزرگی اور کبرسنی کی رعایت کریں، ان کے ضعف اور جسمانی کمزوریوں کو پیش نظر رکھیں، ان کے جذبات واحساسات کا خیال رکھیں، بات چیت، کھانے پینے اور اٹھنے بیٹھنے میں انھیں مقدم رکھیں۔ اسی طرح بعض دوسرے آداب واخلاق کا مظاہرہ بھی ان کے ساتھ کرتے رہیں۔

عزت وتکریم کا یہ معاملہ اس وقت مزید موکد ہوجاتا ہے جب بڑا بوڑھا اپنا باپ، دادا، ماموں، کوئی قریبی عزیز یا اپنا پڑوسی ہو۔ اس میں قرابت مندی، صلہ رحمی اور پڑوسی کے حقوق کی ادائیگی مزید شامل ہوجاتی ہے۔ ایک شخص جیسا برتاؤ دوسروں کے ساتھ کرے گا، اس کے ساتھ بھی اسی طرح برتاؤ کیا جائے گا۔ جوشخص اپنی جوانی، صحت اور چستی ونشاط کے دور میں ان بڑے بوڑھوں کے حقوق کی رعایت کرتا رہے گا اور ان کے واجبات کی حفاظت کرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے اپنے بڑھاپے میں بھی ایسے افراد لا کھڑا کرے گا جو اس کے حقوق ادا کریں گے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا لِسِنِّهِ إِلَّا قَيَّضَ اللهُ لَهُ مَنْ يُكْرِمُهُ عِنْدَ سِنِّهِ (٢).

''جب کوئی نوجوان کسی بڑے بوڑھے کی اس کی عمر کی وجہ سے تکریم کرتا ہے تو اللہ اس کی اس نیکی کی وجہ سے اس کے لیے ایک ایسا شخص تیار کردے گا جو اس کے اپنے بڑھاپے میں اس کی تکریم کرے گا''۔

اسی مفہوم کی وہ روایت بھی ہے جسے یحی بن سعید مدنی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ جس نے کسی بڑے بوڑھے کی توہین کی تو وہ اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک اللہ اس پر کسی ایسے شخص کو مسلط نہ کردے جو اس کے بڑھاپے میں اس کی توہین کرے۔(۳).

بڑے بوڑھے اور عمر دراز حضرات اپنی زندگی کے اس مرحلے میں ہوتے ہیں جس میں دوسروں کے مقابلے میں ان کے اندر آخرت کا خیال اور موت کے قریب آنے کا احساس

(۱) مسند أحمد: ۳۸/۲،۱ امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ کریں: الصحیحة، رقم الحدیث: ۱۵۵۵

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۰۲۲، امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ ملاحظہ کریں: ضعیف سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۴۸

(۳) العمر والشیب لابن ابی الدنیا، رقم الروایة: ۱۵، تحقیق وتعلیق: ڈاکٹر نجم عبدالرحمن خلف

زیادہ ہوا کرتا ہے۔اسی لیے ان کے اندر اللہ کی اطاعت کا جذبہ بڑھ جاتا ہے،وہ نیکیوں کے کام زیادہ کرتے ہیں اوران کے اندر وقار وتمکنت کا اضافہ ہوجاتا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن سلیمان بن عبدالملک مسجد میں داخل ہوا۔ایک بزرگ پر نظر پڑی،انھیں بلایا اور پوچھا:اے شیخ!کیا آپ موت کو پسند کرتے ہیں؟انھوں نے جواب دیا:نہیں۔پوچھا:کیوں؟جواب دیا:جوانی رخصت ہوگئی اور عہد شباب کی برائیاں بھی،بڑھاپا آگیا اوراس عہد کی نیکیاں بھی۔اب جب کھڑا ہوتا ہوں تو اللہ کے نام سے کھڑا ہوتا ہوں،بیٹھتا ہوں تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔اب چاہتا ہوں کہ یہ سلسلہ دراز ہوجائے۔(۱)

سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول!سب سے بہتر انسان کون ہے؟اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَحَسُنَ عَمَلُهُ (۲)

وہ شخص جسے طویل عمر ملے اورجس کے اعمال اچھے ہوں۔

مسلم نوجوانوں پر واجب ہے کہ وہ اللہ جل وعلا کا تقوی اختیار کریں اور معاشرہ وسماج کے ان بڑے بوڑھوں کے حقوق کا خیال رکھیں جو ایک نمونہ ہیں،نیک اور صالح ہیں،اصحاب فضیلت اور نیکوکار ہیں،اللہ کے لیے مخلص،اس کی اطاعت کرنے والے،بھلائی کرنے والے اورعبادت گزار ہیں اورجن کے روز وشب رکوع وسجود،صیام وقیام،تسبیح وتہلیل اور حمد الٰہی اوراطاعت باری تعالیٰ میں گزرتے ہیں۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ آج کے بہت سے نوجوان جوانی کے جوش میں اورغفلت ولاپروائی میں مبتلا ہوکران بڑے بوڑھوں کے حقوق پامال کررہے ہیں،وہ نہ اپنے والدین کی عزت کرتے ہیں،نہ ان کے دلوں میں اپنے بزرگوں کا کوئی احترام ہے اورنہ وہ ان کی قدر ومنزلت پہچانتے ہیں،ان کے حقوق کی ادائیگی نہیں کرتے اور نہ ان کی کوئی رعایت کرتے ہیں بلکہ وہ اللہ کے سامنے کھڑے ہوکر جواب دہی سے بھی نہیں ڈرتے۔بعض نادان اور کم عقل نوجوانوں کا یہ حال ہے کہ وہ ان بڑے بوڑھوں پر ظلم وزیادتی کرتے ہیں اوران کے ساتھ برے انداز میں پیش آتے ہیں۔ظاہر ہے کہ یہ رویہ بے شرمی کی دلیل ہے،اخلاق نام کی کوئی چیز ان کے اندر موجود نہیں ہے،وہ مروت اور اسلامی اخلاق واقدار سے عاری ہیں۔اپنی سرکشی میں مست ہیں،عن قریب ایسے ظالموں کو پتا چل جائے گا کہ وہ کن وادیوں میں بھٹک رہے تھے۔

نوجوانو!ہوشیار ہوجاؤ،اللہ سے ڈرو،اپنے والدین اوراپنے بزرگوں کے حقوق پہچانو،ان کا احترام کرو اوران کے جو واجبات ہیں،ان کی حفاظت کرو۔ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلم نوجوانوں کو صحیح راہ دکھائے اورانھیں حق کی طرف واپس آنے کی توفیق عطا فرمائے۔ہماری دعا یہ بھی ہے کہ اللہ ہمارے بڑے بوڑھوں کو صحت وعافیت سے رکھے،ان کی آل واولاد کو صالح بنائے اوران کا انجام اچھا بنائے اوران کے ساتھ ساتھ ہم سب کا بھی خاتمہ بھلائی اور ایمان پر ہو۔ ●

---

(۱) العمر والشیب لابن ابی الدنیا،رقم الروایۃ:۲۹،تحقیق وتعلیق:ڈاکٹر نجم عبدالرحمن خلف

(۲) سنن الترمذی،رقم الحدیث:۲۳۲۹،امام البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ملاحظہ کریں:صحیح سنن الترمذی،رقم الحدیث:۱۸۹۸

امتحان میں اعلی نمبروں کا حصول کیسے؟

ڈاکٹر عبدالصبور ابوبکر مدنی
استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد:

امتحان امتحان ہوتا ہے، چاہے دنیوی ہو یا اخروی، اس میں کامیابی اسی شخص کو میسر ہوتی ہے جو اس کے لیے محنت ومشقت کرتا ہے، ہر مادی ومعنوی وسائل کو اختیار کرتا ہے، کامیابی کی خاطر اپنا سب کچھ تج دیتا ہے، سستی، کوتاہی، غفلت اور ضیاع وقت سے مطلقا اجتناب کرتا ہے اور ان سب سے اہم یہ ہے کہ وہ اللہ سے اپنے تعلقات کو مضبوط سے مضبوط تر کرتے ہوئے ہمیشہ اس سے توفیق کی دعائیں کرتا رہتا ہے۔

ذیل میں بعض ان اسباب ووسائل کا ذکر کیا جارہا ہے جن کی پاسداری کرکے ایک طالب علم بآسانی امتحان میں امتیازی نمبرات حاصل کرسکتا ہے، ان شاء اللہ۔

پہلا وسیلہ: اللہ سے توفیق کی دعا کرنا:

ہم سب کا اس بات پر ایمانِ کامل ہے کہ اللہ کی مرضی کے بغیر کسی کو قطعا کامیابی نہیں مل سکتی ہے، اس کی رضا کے بغیر ایک پتہ بھی حرکت نہیں کرسکتا ہے۔ چنانچہ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی کامیابی کے لیے اللہ سے برابر دعائیں کرتے رہیں۔ ایک پل کے لیے بھی اس وسیلہ کو ہلکا اور معمولی نہ سمجھیں، والدین اور اپنے خیر خواہان سے بھی دعا کی درخواست کریں، اور امتحان کی تیاری کرتے وقت حفظ وضبط کی توفیق کی نیز سوالنامہ آسان ہونے کی دعا کریں اور کبھی بھی عجب وکبر کا شکار نہ ہوں اور نہ ہی یہ تصور کریں کہ صرف اپنی محنت کے بل بوتے کامیابی حاصل کرلیں گے، بلکہ کثرت سے لا حول ولا قوة إلا بالله پڑھتے رہیں اور امتحان گاہ میں پرچہ حل کرنے سے پہلے اس دعا کا خصوصی اہتمام کریں: اللهم لا سَهْلَ إلا ما جعلته سهلاً وأنت تجعلُ الحَزْنَ اذا شئت سهلا۔ (۱)

دوسرا وسیلہ: امتحان کی مکمل تیاری:

اللہ کی توفیق طلب کرنے کے بعد اہم ترین وسیلہ یہ ہے کہ ایک طالب علم بھرپور کوشش ومحنت سے مطلوبہ کتاب کی مکمل تیاری کرے، اس کے کسی حصہ کو غیر اہم یا زیادہ مشکل سمجھ کر نظر انداز نہ کرے۔ ہاں! کچھ چیزیں زیادہ اہم ہوتی ہیں، لہذا اس پر مزید دھیان دینے کی ضرورت ہے، مگر مطلوبہ سبجیکٹ کے کسی حصہ کو یہ کہہ کر نہ چھوڑیں کہ یہ غیر اہم یا زیادہ مشکل ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے جو آپ غیر اہم سمجھ رہے ہوں وہ ممتحن کے نزدیک اہم ہو، یا اسے آسان سمجھ کر ہی امتحان میں پوچھ لے۔

دور اندیشی یہ ہے کہ وقت کی اہمیت کا ادراک کرتے ہوئے تعلیمی سال کے آغاز ہی سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا

(۱) صحیح ابن حبان: ۳/ ۲۵۵، رقم: ۹۷۴۔

جائے اور یہ بات ذہن نشین رہے کہ بقدر جدوجہد ہی اللہ کی توفیق آتی ہے۔ [وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (۱) اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی ہے۔

اور شاعر کہتا ہے:

بقدر الكد تكتسب المعالي

ومن طلب العلا سهر الليالي (۲)

محنت کے بقدر بلندیاں نصیب ہوتی ہیں اور جو بلندیاں چاہیے وہ راتوں کو جاگے۔

یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''لا يستطاع العلم براحة الجسم''، ''راحت جسم کے ساتھ علم نہیں حاصل کیا جاسکتا''۔ (صحیح مسلم: ۱/ ۴۲۸ برقم ۶۱۲)

تنبیہ: بسا اوقات بعض طلبہ امتحان کی تیاری کے وقت اگر کوئی دقیق اور مشکل مبحث آجائے جو ان کی سمجھ سے بالاتر ہو، تو جب تک اسے مکمل طور پر حل نہ کرلیں آگے نہیں بڑھتے ہیں، اس میں چاہے جتنا ان کا وقت صرف ہوجائے، یا کتاب کا بقیہ حصہ پڑھنے کا ان کے پاس وقت ہو یا نہ ہو، معلوم ہو کہ یہ صفت ہمیشہ محمود نہیں ہوتی ہے، خاص طور پر ایام امتحان میں جب طالب علم کے پاس وقت کی قلت ہو، اور مقررہ کتاب زیادہ ہو۔ اس باب میں عقل وفراست کا تقاضا یہ ہے کہ جو مسئلہ یا مبحث طالب علم کے سمجھ میں نہ آئے، یا فوری طور پر اس کا حل کرنا اس کے لیے مشکل ہو تو اسے نشان زد کرکے اس کی تیاری کچھ وقت کے لیے مؤخر کردے اور بقیہ کتاب کی تیاری میں جٹ جائے اور پھر جب بھی اسے موقع ملے تو اس کی جانب رجوع کرے اور اسے حل کرنے کی بھرپور کوشش کرے۔

تیسرا وسیلہ: طلب علم میں شرم وحیا سے اجتناب:

مسائل کتاب کے حل، نیز انہیں احسن طور پر سمجھنے کے لیے طالب علم کو چاہیے کہ ہر اس شخص کی طرف رجوع کرے جس کے بارے میں اسے معلوم ہو کہ اس کے اندر اسے حل کرنے کی صلاحیت موجود ہے، چاہے وہ اس کا استاذ ہو، یا کوئی دوسرا طالب علم، خواہ وہ عمر اور کلاس میں اس سے اعلیٰ ہو یا ادنی، اس میں شرم وحیا سے ہرگز کام نہ لے، اور اپنے سے کم عمر شخص سے بھی علم حاصل کرنے میں ذرا بھی جھجھک محسوس نہ کرے، بشرطیکہ وہ باصلاحیت اور ذی علم ہو، کیونکہ اس مقام پر شرم کرنا اس کے لیے ضرر رساں اور امتحان میں کم نمبرات حاصل کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔

وکیع بن جراح رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لا يكون الرجل عالماً حتى يكتُب عمّن هو فوقه وعمّن هو دونَه وعمّن هو مثله'' ''کوئی شخص اس وقت تک عالم نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ وہ اپنے سے بڑے، اپنے سے چھوٹے اور اپنے ہم سبق سے علم نہ سیکھ لے''۔ (الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع از خطیب بغدادی: ۲/ ۲۱۶)

امام مجاہد فرماتے ہیں: ''لا يتعلم العلم مستحي ولا مستكبر'' ''بے جا حیا اور تکبر کرنے والا شخص علم حاصل نہیں کرسکتا''۔ (صحیح البخاری: ۱/ ۳۸ تعلیقا بصیغۃ الجزم)

چوتھا وسیلہ: ایام امتحان میں عبادات کا خاص اہتمام:

ویسے تو ہمہ وقت عبادت اور رب کی خوشنودی کے لیے سعی پیہم ہونی چاہیے، لیکن جب کسی عظیم مقصد کا حصول

(۱) سورۃ النجم: ۳۹۔ (۲) الدر الفرید وبیت القصید: ۵/ ۱۹۲۔

پیش نظر ہو، یا امتحان میں امتیازی نمبر حاصل کرنا مطمح نظر ہو، یا کوئی اور دنیوی یا اخروی امر درپیش ہو، تو ایسی صورت میں رب سے اپنے تعلق کو مزید مضبوط کرنا چاہیے، اسے خوش کرنے کے تمام وسائل اختیار کرنے چاہئیں تا کہ مطلوبہ چیز پانے میں اللہ کی توفیق شامل حال ہوجائے، لہذا ایسے مواقع پر کثرت سے صدقہ وخیرات، والدین کے ساتھ احسان، صلہ رحمی، باجماعت نماز کی ادائیگی اور تلاوت قرآن کریم وغیرہ کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے۔ اس یقین کے ساتھ جو مال ووقت ہم ان عبادات میں صرف کریں گے وہ رائیگاں نہیں جائیں گے، بلکہ اس کی وجہ سے ضرور اللہ کی مدد آئے گی۔

پانچواں وسیلہ: پرچہ بنانے اور جواب کی تصحیح میں استاذ کا منہج جاننے کی کوشش:

امتحان میں اعلی نمبروں سے کامیاب ہونے کے مختلف وسائل میں سے ایک وسیلہ یہ ہے کہ طالب علم یہ جاننے کی کوشش کرے کہ جس سبجیکٹ کو جو استاد بروقت پڑھا رہا ہے، سوال بنانے میں اس کا منہج کیا ہے؟ اور وہ کس طرح کا جواب پسند کرتا ہے؟ پھر اسی نہج پر اس کتاب کی تیاری کرے، اور اس کے حسب منشا سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کرے۔ اور اس کی جانکاری کے لیے اسے چاہیے کہ وہ استاد کے وضع کردہ قدیم سوالوں کی طرف رجوع کرے، اس کے بارے میں خود استاد سے معلومات حاصل کرے، یا ان طلبہ سے پوچھے جو اس سے پہلے مذکورہ استاد کے پاس تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔ مگر دھیان رہے کہ ایسا نہ ہو کہ طالب علم کا پورا زور اسی پر صرف ہوجائے، وہ اسی کے پیچھے لگ جائے یا اس پر اعتماد کلی کرنے لگے، ایسا کرنا ہرگز نفع بخش نہ ہوگا، لہذا بقدر ضرورت اور حسب امکان ہی اس وسیلہ کو اختیار کرنا چاہیے۔

چھٹا وسیلہ: بقدر ضرورت جسم کو راحت پہنچانا:

کسی بھی عمل میں حد کو تجاوز کرنا ناپسندیدہ عمل شمار کیا جاتا ہے، امتحان کے دنوں میں ضروری ہے کہ ایک طالب علم اپنے معمول سے زیادہ محنت کرے، مگر ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے جسم کو مکمل بھول جائے، اس کی راحت یا ضروری غذائیت کا خیال نہ رکھے، ایسا کرنے سے بسا اوقات نفع کے بجائے ضرر کا خطرہ بڑھ جاتا ہے، فہم مسائل اور ضبط مباحث میں اس سے خلل واقع ہوتا ہے، اور اس سے یادداشت بھی متاثر ہوتی ہے، لہذا جسم کے حقوق کی رعایت کرتے ہوئے ضرورت بھر نیند لینی چاہیے اور کھانے پینے کا دھیان رکھنا چاہیے کیونکہ یہ چیز جسم وذہن کو تر وتازہ رکھے گی، جو آپ کے نمایاں نمبروں سے کامیابی کے لیے مدومعاون ثابت ہوگی، ان شاء اللہ۔

ساتواں وسیلہ: امتحان شروع ہونے سے چند منٹ قبل امتحان گاہ میں داخل ہونا:

عموماً یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ طلبہ آخری لمحے تک کتابوں سے چپکے رہتے ہیں اور امتحان کا وقت شروع ہوتے ہی حواس باختہ ہوکر امتحان گاہ کی طرف بھاگتے ہیں، یہ قابل ستائش عمل نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے ذہن بالکل تھک جاتا ہے اسے ذرا بھی آرام کرنے کا موقع نہیں ملتا، جس کا منفی اثر یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز دلجمعی کے ساتھ جواب دینے میں خلل انداز ہوتی ہے، اور ترکیز کے لیے مانع بھی۔ اس لیے بہتر ہے کہ طالب علم امتحان شروع ہونے سے چند منٹ قبل امتحان گاہ میں داخل ہو اور سکون واطمینان کے ساتھ اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے اور ذکر واذکار کرتے ہوئے تھوڑی دیر کے لیے ذہن کو آرام کرنے کا موقع دے۔ یہ عمل اس کے صحیح جواب

قلم بند کرنے میں نہایت کارگر ثابت ہوگا، ان شاءاللہ۔

آٹھواں وسیلہ: پرچہ ملنے کے بعد ایک بار تمام سوالوں کو بغور پڑھنا:

سوالنامہ ملتے ہی جواب لکھنا شروع نہ کریں، بلکہ ضروری ہے کہ آپ ایک بار تمام سوالوں کو بغور پڑھ لیں، ایسا کرنے کے کئی فوائد ہیں، جیسے: اگر کوئی سوال، یا سوال کا جزء آپ کے لیے غیر واضح ہوتو آپ موجودہ نگراں افراد سے اس کے متعلق استفسار کرسکتے ہیں، اسی طرح تمام سوالات پڑھ کر آپ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں ان کے جواب میں کتنا وقت درکار ہے؟ کس سوال کا جواب طویل ہے؟ کون سا سوال آپ کے لیے مشکل ہے کون سا آسان؟ ان امور کا آپ ایک سرسری جائزہ لے کر اسی اعتبار سے اپنا جواب لکھنا شروع کریں۔ تاکہ بعد میں آپ کو قلت وقت یا سوال کے عدم وضاحت کی شکایت نہ کرنی پڑے۔

نواں وسیلہ: منظم ومرتّب اور وضاحت کے ساتھ جواب لکھنا:

عجلت پسندی، بے ڈھنگی، بے ترتیبی اور خلط مبحث یہ وہ امور ہیں جو ایک طالب علم کے نمبروں کو بے حد متاثر کرتے ہیں، بسا اوقات طالب علم کو تمام جوابات ازبر ہوتے ہیں، اور وہ ہر سوال کا صحیح جواب بھی دیتا ہے، مگر پھر بھی اس کے نمبر حسب توقع نہیں آتے، کیونکہ وہ تنظیم وترتیب اور وضاحت کے ساتھ اپنا جواب قلم بند نہیں کرتا، اور نہ ہی خوش خطی، اور علامات وقف کا لحاظ کرتا ہے، جس سے اس کی لاپرواہی اور عدم عنایت کا پتہ چلتا ہے اور اس کے جواب سے ممتحن خوش نہیں ہو پاتا، جو یقینی طور پر اس کے نمبروں کو متاثر کردیتے ہیں۔ لہذا اچھے نمبروں کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ ان امور کی رعایت کی جائے، بسم اللہ سے کلام کا آغاز ہو، سوال کے ہر فقرے کا جواب نئے پیراگراف سے اور ہر جواب کو نئے صفحہ سے تحریر کرنے کی کوشش کی جائے، خوش خطی اور علامات وقف کا حتی الامکان خیال رکھا جائے، زیادہ کاٹ پیٹ نہ ہو، اور نہ ہی ضرورت سے زیادہ جواب۔

دسواں وسیلہ: جواب کو ایک بار یا چند بار دہرانا:

ایک طالب علم کا ہدف یہ نہیں ہونا چاہیے کہ وہ امتحان میں بس صرف اتنے نمبر حاصل کرلے جتنے میں وہ پاس ہوجائے، بلکہ ہمیشہ اسے اعلی نمبروں سے کامیابی کے لیے کوشاں رہنا چاہیے، بنابریں ضروری ہے کہ وہ باریک بیں ہو، ایک ایک نمبر کے ضائع ہونے پر افسوس کرے، اور اسے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے، اور وقت رہتے ہی امتحان گاہ سے نکلنے میں جلد بازی نہ کرے، نہ ہی اس بات پر فخر کہ وہ سب سے پہلے جواب دے کر امتحان گاہ سے باہر نکلا، بلکہ اسے چاہیے کہ سوال وجواب کے درمیان بار بار موازنہ کرے، کہ کہیں کوئی سوال یا سوال کا جز فوت نہ ہوگیا ہو، اور پھر جواب کو ایک بار یا حسب وقت بار بار دہرائے کہ کہیں اس سے کوئی فاش غلطی سرزد نہ ہوگئی ہو، یا مثبت کا جواب منفی، یا منفی کا مثبت میں نہ ہوگیا ہو جس سے پورا جواب ہی غلط ہوجائے، اور بعد میں پچھتاوا ہو۔

ایک زیرک اور ہوشیار طالب علم کی نظروں سے یہ باتیں کبھی اوجھل نہیں ہوتیں، کیونکہ اسی میں اس کے تمیّز اور فوقت کا راز پنہاں ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں دنیا وآخرت کے ہر امتحان وآزمائش میں کامیابی سے ہمکنار فرمائے، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین.

وصلی اللہ وسلم علی محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین.

جامعہ رحمانیہ بنارس کا ایک درخشندہ ستارہ

ابوالفضل جلال الدین رحمانی

تحریر: مولانا مطیع اللہ محمد اسحاق سلفی
ریکٹر دارالعلوم ششہنیاں، سدھارتھ نگر

(قسط: ۲)

اس مضمون کی پہلی قسط ماہ جنوری ۲۰۱۹ء کے شمارہ کے لیے فائنل ہوچکی تھی اور فروری کا شمارہ زیر ترتیب تھا کہ ۲۸/جنوری ۲۰۱۹ء کو بعد نماز فجر استاذ گرامی قدر مولانا مطیع اللہ صاحب سلفی حفظہ اللہ اور دیگر ذرائع سے یہ اطلاع ملی کہ مولانا ابوالفضل جلال الدین صاحب رحمانی ہمیں داغ مفارقت دے گئے **وإنا علی فراقک لمحزونون**. رات ایک بج کر چالیس منٹ پر انہوں نے اپنی زندگی کی آخری سانس لی۔ اس حادثہ فاجعہ پر رضائے الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں۔ ہر متنفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، کسی کو موت سے رستگاری نہیں ہے۔

یہ مضمون استاذ محترم سلفی حفظہ اللہ نے مولانا رحمانی رحمہ اللہ کی حیات میں لکھا تھا اور آں رحمہ اللہ نے نظر ثانی اور حذف واضافہ بھی کر دیا تھا۔ اس مضمون کو اسی پس منظر میں پڑھا جائے۔ ادارہ محدث دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا رحمانی کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے۔ ان کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے اور شائقین علوم نبوت کے لیے ان کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔ (ادارہ محدث)

ایک علمی مناقشہ:

استاد اور شاگرد کے درمیان تحقیقات اور مسائل میں اختلاف عہد قدیم سے چلا آرہا ہے جیسا کہ امام بخاری اور ان کے استاذ امام داخلی کے مابین ہوا۔ امام داخلی نے طلبہ کو ایک سند سنائی جس کی ترتیب یوں تھی: سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم۔ امام بخاری نے فوراً ٹوکا اور عرض کیا کہ حضرت ابوالزبیر ابراہیم سے روایت نہیں کرتے ہیں جس پر امام داخلی نے کچھ خفگی کا اظہار فرمایا۔ امام بخاری نے استاذ کے ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے فرمایا کہ حضرت اصل کتاب کی طرف رجوع فرمالیں۔ امام داخلی نے اپنی اصل کتاب کی طرف مراجعت فرمائی تو امام بخاری کی بات صحیح نکلی۔ امام داخلی نے کہا: اچھا بتاؤ سند کس طرح ہے؟ امام بخاری نے فرمایا: ابراہیم سے روایت کرنے والے زبیر ہیں اور یہ عدی کے بیٹے ہیں، ابوالزبیر نہیں ہیں۔ استاذ نے فرمایا:

جوسندتم نے سنایا وہ صحیح ہے۔اس وقت امام بخاری کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ایک منصف مزاج استاذ کا رویہ اسی طرح ہوتا ہے۔ایسا ہی کچھ معاملہ مولانا ڈاکٹر جلال الدین رحمانی اور ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی کے درمیان پیش آیا۔جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی حفظہ اللہ کا تقرر عربی ادب کے استاذ کی حیثیت سے ندوہ میں نیا نیا ہوا تھا۔آپ درسگاہ میں تشریف لائے کچھ الفاظ کی تشریح بورڈ پر لکھ دی جس میں ایک لفظ ''ھوی'' کا بھی تھا۔اعظمی صاحب نے تحریر کیا هَوَىٰ يَهْوَىٰ باب ضرب اور سمع دونوں سے آتا ہے۔جس کا معنی آرزو، تمنا، مقصد اور خواہش کے ہوتے ہیں۔استاذ گرامی مولانا جلال الدین رحمانی صاحب نے استاذ کے ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے فرمایا کہ حضرت باب سمع اور ضرب دونوں سے آتا ہے لیکن ترجمہ دونوں کا علیحدہ علیحدہ ہے، ایک نہیں ہے۔هَوَىٰ يَهْوِي باب ضرب یضرب سے آئے گا تو اس کا معنی اوپر سے نیچے اترنا، مائل ہونا اور جھکنے کا ہوگا اور جب سمع سے آئے گا تو اس کا معنی آرزو اور خواہش کے ہوگا۔مولانا اعظمی نے اس پر دلیل طلب کیا۔اولاً استاذ محترم نے قرآن مقدس سے دلیل پیش کیا۔آپ نے فرمایا کہ سورہ نجم میں ہے [وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ] (النجم:۱) جو باب ضرب سے ہے اور اس کا ترجمہ اوپر سے نیچے اترنے کا ہے۔سورہ ابراہیم میں ہے [رَّبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ] (ابراہیم: ۳۷)اس جگہ تَهْوِي باب ضرب سے ہے جو مائل ہونے کے معنی میں ہے۔سورہ بقرہ میں ہے [أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمُ] (البقرہ:۶۸)اس جگہ تَهْوَىٰ باب سمع سے ہے جس کے معنی آرزو، خواہش اور چاہت کے ہیں۔قرآن مقدس میں دوسری جگہ ہے [أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ] (الجاثیہ:۳۲)اس جگہ هَوىٰ باب سمع کا مصدر ہے جس کے معنی خواہش نفس کے ہیں۔اسی طرح قرآن مقدس کی دیگر آیات اور حماسہ اور سبع معلقہ وغیرہ کے اشعار کے ذریعہ دلائل کا انبار لگا دیا۔ڈاکٹر اعظمی نے دلائل کو حد درجہ غور وخوض سے سنا اور آج کے درس کو کل کی تحقیق پر معلق کر دیا۔

دوسرے دن جب آپ درسگاہ میں فروکش ہوئے تو طلبہ کے سامنے برملا اس حقیقت کا اظہار کیا کہ جس قدر لغت کی کتابیں دستیاب ہوئیں ان سب کو میں نے کھنگال ڈالا مگر کسی کتاب نے میرا ساتھ نہیں دیا اگر ساتھ دیا تو جلال الدین کا ساتھ دیا۔ایک منصف مزاج استاذ کا رویہ یہی ہوتا ہے۔ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی حفظہ اللہ عربی زبان وادب کے مشہور صحافی اور قلم کار ہیں، حلیم الطبع اور باوقار شخصیت کے مالک ہیں۔البعث الاسلامی کے رئیس التحریر ہیں اور اس وقت ندوہ کے مہتمم اور انٹگریل (Integral) یونیورسٹی کے چانسلر ہیں۔

اس علمی مناقشہ نے آپ کے قد کو اس قدر اونچا کر دیا کہ ندوہ میں ہلچل مچ گئی۔طلبہ نے کہا کہ بنارس سے پڑھ کر ایک طالب علم جلال الدین آیا ہے جس نے مولانا

سعید الرحمن اعظمی کا ناطقہ بند کردیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مراکشی کا شاگرد ہے کیوں کہ ہلالی صاحب عرصہ دراز سے صاحب ہفت زباں علامہ عبدالمجید الحریری کے مہمان رہ چکے تھے۔ طلبہ آپ سے کسب فیض کی درخواست کرنے لگے۔ اس وقت مولانا مختار احمد ندوی بھی ندوہ میں تخصص کررہے تھے، یہ تو ہاتھ دھوکر مولانا کے پیچھے پڑگئے کہ جلال الدین اپنے علم کا فیضان کچھ میرے اوپر بھی جاری کردو۔ ندوۃ العلماء میں آپ کے داخلہ کا مقصد صرف اورصرف جامع ازہر مصر میں تعلیم حاصل کرنے کا تھا کیوں کہ ندوہ کی سند جامع ازہر میں تسلیم شدہ تھی۔ ابھی آپ کا خواب شرمندۂ تعبیر بھی ہونے نہ پایا تھا کہ آپ کے بڑے بھائی الحاج محمد یونس رحمہ اللہ عرف ملاجی ندوہ میں وارد ہوئے۔ ندوہ کے ماحول کا ہرطرح سے جائزہ لیا اس کے بعد فرمایا کہ یہاں کا ماحول بہتر نہیں ہے، بوریا بستر باندھو اور گھر چلو۔ اس طرح ڈاکٹر صاحب اپنے وطن واپس آ گئے، آپ کی واپسی سے ندوۃ العلماء لکھنؤ کے اساتذہ وطلبہ کو شدید غم لاحق ہوا۔ ندوہ ایک حد درجہ محنتی اور ذہین وفطین طالب علم سے محروم ہوگیا جو آگے چل کر ندوہ کے نام کو مزید روشن کرسکتا تھا اور جو طلبہ آپ سے اپنی علمی تشنگی بجھانا چاہتے تھے ان کو شدید محرومیت کا غم ستائے جارہا تھا۔

دوبارہ جامع المعقول کی خدمت میں:

ندوہ سے واپس ہونے کے بعد آپ معقولات میں بالخصوص اور دیگر فنون میں بالعموم مہارت تامہ حاصل کرنے کی غرض سے دوبارہ علامہ املوی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ کچھ دنوں تک آپ سے اپنی علمی تشنگی بجھاتے رہے۔ علامہ املوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ”جلال الدین جو کچھ اللہ نے مجھ کو علم دیا تھا اس کے وافر حصہ سے تم اپنے دامن مراد کو بھر چکے ہو اب جاؤ درس وتدریس کی زمام سنبھالو، تشنگان علوم دینیہ کو اپنے چشمہ صافی سے سیراب کرو اور دعوت وارشاد کا فریضہ انجام دو۔“

یہ تو قطرہ سے گہر بنتے تک کی داستان تھی۔ اب آگے آپ کی خدمات جلیلہ وجمیلہ پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔

بھوانی پور کھلی ضلع بدایوں:

اپنے مشفق استاذ کے حسب ایماء وارشاد علمی خدمات انجام دینے کے لیے ”ترجمان“ اور ”اہلحدیث“ کے وساطت سے ایک اعلان مشتہر کردیا۔ متعدد مقامات سے تدریس کا فریضہ انجام دینے کے لیے خطوط آئے ان میں ایک خط شیخ محفوظ علی ضلع بدایوں کے بھوانی پور کھلی والے کا بھی تھا۔ اللہ نے آپ کا سینہ بھوانی پور کھلی میں بزم درس وتدریس، مجلس وعظ وارشاد اور کتاب وسنت کا آوازہ بلند کرنے کے لیے کھول دیا۔ آپ نے شیخ محفوظ کی دعوت کو قبول کیا اور چلنے کے لیے تیار ہوگئے۔ راستے کی ہدایت اس طرح کی گئی تھی کہ بنارس سے لکھنؤ، لکھنؤ سے بریلی، بریلی سے اجھیانی، اجھیانی سے سہسوان اور سہسوان سے بھوانی پور کھلی پور۔ براہ راست کوئی ٹرین نہ تھی۔

آپ نے یہ مختصر سفر صوبہ یوپی کے ایک ضلع بدایوں کے گاؤں بھوانی پور کھلی کا پر پیچ اور دشوار گزار راستہ دودن میں طے کرتے ہوئے سہسوان پہنچے اور سہسوان سے

تیسرے دن کسی طرح افتاں وخیزاں قبیل مغرب بھوانی پور کھلی میں وارد ہوئے۔ شیخ محفوظ علی بڑی شدت سے آپ کا انتظار کررہے تھے۔ مولانا کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے، فوراً پانی وغیرہ پیش کیا۔ تین دن کے بھوکے تھے۔ مغرب کے بعد کھانا کھائے بہت خوش ہوئے، مولانا کو ایسا محسوس ہورہا تھا کہ اپنے گھر پہنچ گیا ہوں، عشاء کی نماز پڑھ کر سو گئے، تھکے ماندے تھے ہی بڑی مزے کی نیند آئی، تکان دور ہو گئی، راستہ کی ساری تکلیفیں اور پریشانیاں بھول گئے۔ صبح ناشتہ کے بعد لوگوں سے پوچھا کہ مدرسہ کس جگہ واقع ہے۔ جواب ملا کہ یہاں مدرسہ وغیرہ کچھ نہیں ہے۔ شیخ محفوظ علی صرف اہل حدیث ہیں اوران کے خاندان کے کچھ لوگ باقی پورہ گاؤں اور علاقہ بدعتیوں کا ہے۔ شیخ صاحب اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے کسی عالم کو بلا لیتے ہیں اور خود ہی تنخواہ دیتے ہیں۔ مولانا اپنی سوانح حیات میں لکھتے ہیں:

''میری حیرانی وپریشانی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ یا اللہ کس آزمائش کے لیے میں اس اجنبی جگہ میں پہنچ گیا جہاں کے لوگوں کے عقائد واعمال کو دیکھ کر کفار مکہ بھی شرمندہ ہوجائیں۔ عقائد میں مشرکین مکہ کے مماثل اور اعمال میں ایام جاہلیت سے دس قدم آگے...... میں وہاں قیام کرنے کے لیے بالکل تیار نہ تھا، لیکن شیخ محفوظ علی صاحب نے بہت اصرار کیا اور تسلی دی کہ مولانا کوئی شخص بھی آپ کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ پوری ذمہ داری میرے سر ہے۔ شیخ محترم کے ایک فرزندار جمند مسمی بہ شائق علی تھے وہ بھی عقیدت میں باپ سے کم نہ تھے، انہوں نے نہلا پر دہلا رکھ دیا کہا مولانا کچھ فکر نہ کیجئے ہم جان دے دیں گے مگر آپ پر آنچ نہ آنے دیں گے۔

بہر حال ان لوگوں کی خواہش اور کوشش پر راضی ہوگیا اور بھوانی پور کھلی کے کنارے لکڑی کی دکان سے متصل ایک جھونپڑی میں مسند درس قائم کیا۔ تدریس کا آغاز قرآن مجید کے ناظرہ وحافظہ سے کیا بعد میں عربی وفارسی کا بھی سلسلہ شروع کردیا۔ بیشتر طلبہ شیخ محفوظ علی صاحب کے خاندان سے وابستہ تھے۔

ابتداء میں مجھے خوف وہراس نے گھیر رکھا تھا، لیکن اللہ نے غیب سے ہمت افزائی فرمائی، جن لوگوں سے میں ہراساں تھا انہیں میں ایک مقتدر ہستی حبیب اللہ کو نگراں بنا دیا۔

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

عام لوگوں میں ''حبیب اللہ'' جبی پہلوان کے نام سے مشہور تھے۔ مونچھ داڑھی بالکل صاف رکھتے۔ ڈاکوؤں کے سردار تھے، ہمیشہ پستول ساتھ میں رکھتے۔ شیخ محفوظ علی کی بڑی عزت کرتے تھے۔ شیخ موصوف نے جبی سے کہا دیکھ جبی مولانا (جلال الدین رحمانی) صاحب کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے یہ ہم لوگوں کے خصوصی مہمان ہیں۔ جبی پہلوان نے جواباً عرض کیا میرے ہوتے ہوئے مولانا کو کوئی شخص الف سے ب نہیں کہہ سکتا ہے آپ بالکل مطمئن رہئے۔

بھوانی پور کھلی میں ایک بڑی مسجد تھی جو جامع مسجد کی حیثیت رکھتی تھی، اس کا امام وخطیب ایک جاہل حافظ قرآن

پکا بدعتی تھا۔اس کے پیچھے مجھے جمعہ کی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے شیخ محفوظ علی اور دیگر ہم خیال لوگوں سے کہا کہ بدعتی کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ہے۔شیخ صاحب نے کہا تو پھر کیا ہونا چاہئے؟ گاؤں میں صرف ایک ہی مسجد ہے جس پر بدعتیوں کا قبضہ ہے میں نے کہا کہ یہیں درسگاہ میں پانچوں وقت کی اذان کہی جائے گی اور سنت کے مطابق نماز ادا کی جائے گی۔شیخ صاحب تو پہلے ہی سے بدعتیوں کے عقائد واعمال سے نالاں تھے،فوراً آمنا وصدقنا کہہ کر عمل پیرا ہو گئے اور باقاعدہ عمل درآمد شروع کر دیا۔

اس کے ردعمل میں پورے گاؤں کے اندر ایک کہرام مچ گیا اور قرب وجواب کے قصر بدعت میں زلزلہ آگیا۔ ارے یہ کہاں سے نوعمر مولوی آگیا جو ایک ہی گاؤں کے اندر دو دو اذانیں، دو دو جمعے اور دو دو خطبے دینے لگا۔ شیخ صاحب تو پھولے نہیں سماتے تھے اور پھر وہ کیوں نہ خوش ہوتے جب کہ ان کی برسوں کی تمنا پوری ہوگئی۔

شیخ موصوف مجھے ہمہ وقت ہمت دلاتے رہے کہ جس کام کا آپ نے آغاز کیا ہے اس کو انجام تک پہنچانا ہے۔ اب آپ کے پاس بدعتی علماء جبہ ودستار کے ساتھ ادھر ادھر سے بحث ومباحثہ کے لیے آئیں گے۔آپ ڈٹ کر جواب دیجئے گا۔ہم برابر آپ کا ساتھ دیں گے اگر وہ لوگ جھگڑا کریں گے تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں۔

شیخ صاحب کے خیال کے مطابق یہ تمام واردات جنگل میں آگ لگنے کے مترادف ثابت ہوئیں۔ چند ہی دنوں کے بعد معلوم نہیں کہاں کہاں سے بدعتی عالم حماقت کا جامہ سفاہت کا جبہ اور جہالت کا عمامہ سروں پر لپیٹ کر مجھ سے بحث کرنے کے لیے آنے لگے زیادہ تر ان لوگوں کی بحث دونوں ہاتھ سے مصافحہ،انا نور من اللہ اور علم غیب پر مبنی ہوتی میری جانب سے مسکت جواب پاکر خاموش ہو جاتے اور یہ کہہ کر چلے جاتے کہ دوبارہ پھر آپ کے پاس آئیں گے مگر جو آکر چلا جاتا پھر دوبارہ آنے کا نام نہ لیتا۔

نہ عربی ضابطہ جانا نہ موقع محل پہچانا
دکھا کر قول باطل کو بنے جہلاء ہیں علامہ
کتاب وسنت نبوی سے کورے رہ گئے فرضی
دھرے پھرتے ہیں اندھوں میں شہ اعور کا عمامہ

مقامی بدعتی لوگ میرے جوابات سن کر میرے پاس آنے لگے اور قبر پرستی، تعزیہ داری وغیرہ کے بارے میں سوال کرتے اور تسلی بخش جوابات پاکر واپس چلے جاتے، رفتہ رفتہ وہ لوگ مجھ سے مانوس ہو گئے اور اپنے بچوں کو میرے پاس علم حاصل کرنے کے لیے بھیجنے لگے اور میرے پیچھے نماز بھی پڑھنے لگے۔

شیخ محفوظ علی نے حالات کو سازگار سمجھ کر ایک ترکیب سوچی، کہنے لگے کہ مولانا جلال الدین صاحب! میرے پاس بخاری کا ایک نسخہ موجود ہے آپ روزانہ عشاء کی نماز کے بعد چیدہ چیدہ حدیثیں پڑھ کر معنی ومطلب سمجھایئے۔ میرے گھر کے لوگ موجود رہیں گے، دوسرے لوگوں کو بھی بلا کر لاؤں گا اور سب سے کہوں گا کہ قرآن مجید کے بعد جس کتاب کا درجہ بلند ہے وہ بخاری شریف ہے۔ مولانا

جلال الدین سناتے ہیں آپ لوگ سننے کے لیے چلئے، میں اس کام کے لیے تیار ہوگیا اور اللہ کا نام لے کر درس بخاری کا آغاز کر دیا جس کا اثر لوگوں پر کافی پڑا۔ چند ہی دنوں میں سامعین کی تعداد میں اضافہ ہوگیا اور معتقدین کی تعداد بھی بڑھنے لگی۔

سب سے پہلے حبیب اللہ (حبی پہلوان) نے بھری بزم میں علی الاعلان کہا کہ آج کی اس محفل میں سب کے سامنے اپنے جرائم پیشہ سے ہمیشہ کے لیے توبہ کرتا ہوں اور شرک وبدعت کی گھنٹی توڑ کر توحید وسنت کا ہار گلے میں ڈالتا ہوں۔

بایں طور روز بروز اہلحدیثوں کی تعداد بڑھتی گئی یہاں تک کہ بہ مشیت الٰہی آٹھ ماہ کے اندر تقریباً اسی (۸۰) گھرانے کے لوگ اہل حدیث ہوگئے۔ فالحمدللہ علی ذلک۔

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیر ہے ساقی

ادھر مدرسہ میں طلبہ کی تعداد بڑھنے لگی اور بدعتیوں کے بچے بھی کثیر تعداد میں شریک درس ہونے لگے۔

عام لوگ مجھ سے بہت عقیدت مند ہو گئے، دعوت طعام اور خاطر تواضع کثرت سے ہونے لگی۔ پیروں کی طرح میری بھی توقیر وتعظیم ہونے لگی۔ جوتا چپل از خود پہننے نہیں دیتے، بلکہ وے خود پہناتے وغیرہ وغیرہ...... رفتہ رفتہ جب بھوانی پور کھلی کا ماحول سازگار ہوگیا تو میں رخصت لے کر اپنے وطن مالوف موتی پور آ گیا۔'' (ماخوذ از خودنوشت مختصر سوانح حیات)

دارالہدیٰ یوسف پور کی مسند صدارت پر:

دارالہدیٰ یوسف پور ضلع بستی وسدھارتھ نگر قدیم ترین مدارس میں سے ایک ہے جس کا قیام تقریباً ۱۸۵۴ء میں عمل میں آیا۔ مولانا جلال الدین رحمانی صاحب سے پیشتر دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے اولین متخرجین میں سے مولانا عبدالرحیم رحمانی رحمہ اللہ یوسف پور میں صدر مدرس تھے، انہوں نے آٹھ سال تک حسن وخوبی کے ساتھ صدارت کے فرائض کو انجام دیا، اس کے بعد مستعفی ہو گئے۔ باوثوق ذرائع سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مولانا موصوف کے مستعفی ہونے کے بعد دارالہدیٰ یوسف پور کے کچھ ذمہ داران مولانا املوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے مولانا املوی سے گزارش کی کہ کوئی ایسا لائق وفائق استاذ دیجئے جو ہمارے ادارہ کو ہمہ جہت ترقی دے سکے۔ مولانا املوی نے فرمایا: میری نظر میں جلال الدین سے بہتر کوئی نظر نہیں آتا۔ ادھر مولانا جلال الدین رحمانی بدایوں سے گھر آئے ہوئے تھے، انہوں نے کہا موقع اچھا ہے، ان کو خوشامد کر کے کسی طرح مولانا عبدالرحیم رحمانی کی جگہ پر لایا جائے۔ ابھی نوجوان ہیں ان شاء اللہ اچھا کام کریں گے جیسا کہ مولانا املوی نے فرمایا ہے۔ چنانچہ باہم مشورہ کے بعد مولانا جلال الدین صاحب کو مدرسہ پر مدعو کیا اور مختصر گفت وشنید کے بعد مولانا عبدالرحیم رحمانی کی جگہ تدریسی خدمات کے لیے مقرر ہو گئے۔ شیخ محفوظ علی صاحب کے پاس استعفیٰ نامہ بھیج دیا اور یوسف پور میں اپنی تقرری کا بھی ذکر کر دیا۔ شیخ محفوظ علی کو بڑا قلق ہوا، اپنے بیٹے شائق علی کو بھیجا کہ کسی طرح سے

بھی مولانا جلال الدین رحمانی کو یہاں لے آیئے لیکن تقدیر الٰہی کے سامنے کسی کا بس نہیں چلتا۔ جتنا کام بھوانی پور کھلی میں مولانا رحمانی سے اللہ کو لینا تھا لے چکا، مجبور ہوکر شائق علی صاحب اپنے وطن واپس چلے گئے اور اپنے لڑکے حشمت علی کو مولانا کے پاس پڑھنے کے لیے یوسف پور مدرسہ میں داخلہ کرادیا۔

مولانا موصوف نے جس حسن اسلوبی وانہماک اور دلچسپی کے ساتھ ڈیڑھ دوسال تک تدریس اور تعلیم وتربیت کا فریضہ انجام دیا اس سے ناظم اور منتظمہ کو بڑی خوشی ہوئی، مدرسہ میں رونق آگئی۔ مولانا نے جناب تبارک اللہ خاں ناظم مدرسہ سے کہا کہ آپ کا ادارہ بہت ہی قدیم ہے اور تعلیم صرف جماعت ثالثہ تک ہوتی ہے جب کہ پڑوسی مدرسہ دارالعلوم ششہنیاں کے منصۂ شہود پر آئے ہوئے صرف ۱۸؍سال ہوئے ہیں اور وہ اس مدرسہ سے سبقت لے گیا، بورڈ سے اس کا الحاق بھی ہوگیا ہے جب کہ آپ کا مدرسہ ذرائع، اسباب، رقبہ اور محل وقوع کے اعتبار سے آگے ہے۔ ناظم صاحب نے کہا کہ آپ ہی مدرسہ میں سب سے بڑے ہیں پوری منتظمہ آپ سے خوش ہے، آپ ترقی دینے کے سلسلے میں جو بھی قدم بڑھائیں گے ہم لوگ بھرپور مدد کریں گے۔

ان حوصلہ افزا باتوں نے آب حیات کا کام کیا، آپ نے فرمایا پہلی بات یہ ہے کہ مدرسین کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بورڈ سے الحاق کیا جائے۔ ناظم صاحب نے کہا کہ آپ قدم بڑھائیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ چنانچہ آپ نے مولانا محمد ابراہیم رحمانی، مولانا محمد ادریس قاسمی اور مولانا مجیب اللہ ریاضی شیخا جوتی کو درس وتدریس کے لیے تقرر فرمایا۔ دوسری طرف بورڈ سے الحاق کے لیے وقت کے رجسٹرار شبیر احمد غوری سے دیرینہ شناسائی کی بنیاد پر خط وکتابت کا سلسلہ شروع کیا۔ موصوف نے خانہ پری کے لیے تین فارم بھیجا اور کہا کہ جہاں تک ممکن ہوسکے جلد ہی ان فارموں کو پر کرکے آفس میں بھیج دیں ان شاء اللہ سال رواں ہی میں الحاق ہوجائے گا۔ آپ نے ان تینوں فارموں کو پر کراکے رجسٹرار آفس میں بھیج دیا۔ بحمد اللہ چند ہی ایام میں الحاق نامہ آگیا اور ساتھ ہی ساتھ دس سو چھپن روپیہ (۱۰۵۶) کا امدادی چیک بھی۔ ذمہ داران ادارہ میں فرحت وانبساط اور مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ بچے منشی، مولوی اور عالم وغیرہ کا فارم پر کرنے لگے اور اس وقت کے سنٹر لکھنؤ میں امتحان بھی دینے لگے۔ اس طرح جماعت ثالثہ کی تعلیم کا جمود ٹوٹا اور جماعت ثامنہ تک کی تعلیم کا راستہ ہموار ہوگیا۔

دارالہدیٰ کی تعمیر وترقی میں چار سال تک نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ شب وروز ایک کر دیا اور دارالہدیٰ مدرسہ سے جامعہ میں تبدیل ہوگیا۔

• • •

بیوہ خاتون کے احکام ومسائل

مقبول احمد سلفی
اسلامک دعوۃ سنٹر شمالی طائف (مسرہ)

بیوہ اس خاتون کو کہتے ہیں جس کا شوہر وفات پاجائے ایسی خاتون کے لئے شوہر کی وفات بڑا صبر آزما مرحلہ ہوتا ہے۔ ایک طرف والدین کا گھر چھوٹ چکا ہوتا ہے یعنی ان کی معاشی کفالت سے آزاد ہوکر شوہر کی کفالت میں آچکی ہوتی ہے تو دوسری طرف زندگی کی تنہائی، بچوں کی پرورش وپرداخت اور گھر کے اخراجات جیسے اہم مسائل اس کے سامنے ہوتے ہیں۔ ایسے صبر آزما مرحلہ میں اولین وقت پر صبر کرنے والی عورتوں کو اللہ کی طرف سے اجر وثواب ملتا ہے۔ بخاری شریف میں ایک عورت کا کسی قریبی کی وفات پر رونے کا ذکر ملتا ہے، مسلم شریف میں بچے کی وفات پر رونے کا ذکر ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

مَرَّ النبيُّ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ بامرأةٍ تبكي عند قبرٍ، فقال: اتَّقي اللهَ واصبري قالت: إليكَ عَنِّي، فإنكَ لم تُصَبْ بمصيبتي، ولم تعرفْهُ، فقيل لها: إنَّهُ النبيُّ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ، فأتت بابَ النبيِّ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ، فلم تجد عندَهُ بوَّابِينَ، فقالت: لم أعرفْكَ، فقال: إنما الصبرُ عند الصدمةِ الأولى. (صحیح البخاری: ۱۲۸۳)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک عورت کے پاس سے ہوا جو قبر پر بیٹھی ہوئی رو رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سے ڈر اور صبر کر۔ وہ بولی جاؤ جی پرے ہٹو۔ یہ مصیبت تم پر پڑی ہوتی تو پتہ چلتا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان نہ سکی تھی۔ پھر جب لوگوں نے اسے بتایا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو اب وہ (گھبرا کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر پہنچی۔ وہاں اسے کوئی دربان نہ ملا۔ پھر اس نے کہا کہ میں آپ کو پہچان نہ سکی تھی۔ (معاف فرمایئے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبر تو جب صدمہ شروع ہو، اس وقت کرنا چاہیے۔

جو اللہ کی طرف سے فیصلہ ہوجاتا ہے وہ ہوکر رہتا ہے، اسے کوئی ٹالنے والا نہیں، ایک مومن کو اچھی بری تقدیر پر ایمان لانا ہے اور آنیوالی مصائب ومشکلات پر صبر کرنا ہے اور مذکورہ حدیث سے ہم نے جان لیا کہ صبر بعد میں نہیں مصیبت کے نزول کے وقت ہی کرنا ہے۔ وفات پر یا نزول بلا پر آنکھوں سے آنسو بہ جائے، بے اختیار رونا آجائے اس میں کوئی حرج نہیں ہے مگر قصدا پھوٹ پھوٹ کر دیر تک روتے رہنے، آہ وبکا کرتے رہنے، جزع فزع کرنے، زبان سے برے کلمے نکالنے اور نامناسب کام کرنے سے صبر کا اجر ضائع ہوجائے گا۔ میت کی بیوہ یا اس کے کسی رشتہ دار کو میت کے پاس جزع فزع کرنے کی ممانعت ہے۔

وہاں چیخنے چلانے کے بجائے میت کے حق میں دعائے خیر کرنا چاہئے ۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت ان کے گھر والے چیخنے چلانے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لا تَدعوا علَى أنفسِكُم إلّا بخيرٍ ، فإنَّ الملائِكَةَ يؤمِنونَ على ما تَقولون. ثمَّ قالَ : اللَّهمَّ اغفِر لأبي سلَمةَ وارفع درجتَهُ في المَهديِّينَ ، واخلُفهُ في عقبِهِ في الغابِرينَ ، واغفِر لَنا ولَهُ ربَّ العالمينَ ، اللَّهمَّ افسِح لَهُ في قبرِهِ ، ونوِّر لَهُ فيهِ (صحیح أبی داود: ۳۱۱۸)

ترجمہ: اپنے لیے بددعائیں مت کرو بلکہ اچھے بول بولو کیونکہ جو تم کہتے ہو اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطور دعا) فرمایا: اے اللہ ! ابوسلمہ کی بخشش فرما، ہدایت یافتہ لوگوں کے ساتھ اس کے درجات بلند کر اور اس کے پیچھے رہ جانے والوں میں تو ہی اس کا خلیفہ بن اور اے رب العالمین ! ہماری اور اس کی مغفرت فرما، اے اللہ! اس کی قبر کو فراخ اور روشن کردے۔

اسی طرح مصیبت لاحق ہونے کے وقت یہ دعا پڑھنی چاہئے ۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إذا أصابَ أحدَكم مصيبةٌ فليقل إنَّا للهِ وإنَّا إليهِ راجعونَ اللَّهمَّ عندَك أحتسبُ مصيبتي فأجرني فيها وأبدلني منها خيراً . (صحیح الترمذی:۳۵۱۱)

ترجمہ: جب تم میں سے کسی کو کوئی مصیبت لاحق ہو تو اسے :" إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيهِ رَاجِعُونَ ، اللَّهُمَّ عِندَكَ احتَسَبتُ مُصِيبَتِي فَأجُرنِي فِيهَا وَأَبدِلنِي مِنهَا خَيراً پڑھنا چاہئے۔

ایسے وقت میں سماج کے دوسرے افراد کو چاہئے کہ بیوہ کو دلاسہ دے اور اس کی تعزیت کرے اور اگر سماج میں مجبور ولاچار قسم کی بیوائیں ہیں تو سماج کے ذمہ دار طبقوں کی ذمہ داری ہے کہ ان کی خبر گیری کرے اور ان کے ماتحتوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرے۔

سطور ذیل میں ہم بیوہ خاتون کے احکام ومسائل بیان کرنے جارہے ہیں تاکہ ہمیں اس سلسلے میں اسلام کی رہنمائی سے آگاہی رہے۔ اسے ہم چند مسائل کے تحت ذکر کریں گے۔

پہلا مسئلہ:

بیوہ کا پہلا مسئلہ عدت سے متعلق ہے اور اس میں چند امور قابل ذکر ہیں:

(۱) شوہر کے انتقال پر بیوہ کو عدت کے طور پر چار مہینے اور دس دن گزارنے ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے:

[وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا] (البقرۃ:۲۳۴)

ترجمہ: اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن عدت میں رکھیں۔

یہ عدت چار مہینے دس دن (ایک سو تیس دن تقریبا) ان تمام بیوہ عورت کی ہے جو بڑی عمر کی ہو یا چھوٹی عمر کی خواہ حیض والی ہو یا غیر حیض والی اور مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔ البتہ اگر حاملہ ہے تو پھر عدت وضع حمل ہوگی یعنی حمل وضع کرتے ہی عورت کی عدت پوری ہوجائے گی

جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

[وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ] (الطلاق:۴)

ترجمہ: اور حمل والیوں کی عدت ان کا وضع حمل ہے۔

(۲) عدت کی شروعات اس دن سے ہوگی جب شوہر کی وفات ہوئی ہے۔ اگر کسی بیوہ کو کچھ دن تاخیر سے شوہر کی وفات کی خبر ملتی ہے تو بھی عدت کی شروعات اسی دن سے مانی جائے گی جب وفات ہوئی ہو یعنی انجانے میں گزرے ایام بھی عدت میں شمار کئے جائیں گے اور اس درمیان عورت سے لاعلمی میں زینت کی چیزیں استعمال کرنے یا باہر نکلنے کی وجہ سے وہ معذور ہے۔

(۳) اس میں ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ بیوہ اپنی عدت کہاں گزارے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بیوہ عورت اس جگہ عدت گزارے گی جہاں شوہر کا انتقال ہوا ہے۔ بیوہ کے لئے نبی ﷺ کا فرمان ہے:

امْكُثِي فِي بَيْتِكِ الَّذِي جَاءَ فِيهِ نَعِيُّ زَوْجِكِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ (صحیح ابن ماجہ: ۱۶۶۴)

ترجمہ: تم اپنے اس گھر میں عدت بسر کرو جہاں تمہیں اپنے خاوند کی موت کی خبر ملی تھی حتی کہ کتاب اللہ کی بیان کی ہوئی مدت پوری ہوجائے۔

> ایک بھیانک غلط خیال یہ بھی عوام الناس میں منتشر ہے کہ شوہر کی وفات سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اس لئے میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہوجاتے ہیں لہذا بیوی شوہر کو چھو نہیں سکتی، دیکھ نہیں سکتی، غسل نہیں دے سکتی۔ یہ ساری باتیں غلط ہیں ۔شوہر سے نکاح ٹوٹ جانے کی کوئی دلیل نہیں اور نہ ہی زوجین ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں۔ وفات کے بعد بیوی شوہر کو دیکھ سکتی ہے، چھو بھی سکتی ہے اور نہلا بھی سکتی ہے۔

(۴) اگر شوہر نے طلاق رجعی دی تھی یعنی ایسی طلاق جس میں شوہر کو رجوع کا اختیار ہوتا ہے، وہ پہلی اور دوسری طلاق ہے۔ اور دوران عدت شوہر کی وفات ہوگئی تو ایسی مطلقہ رجعیہ کو چار مہینے دس دن بطور عدت گزارنے ہیں۔ ہاں اگر شوہر نے تیسری طلاق دیدی یا طلاق رجعی کی عدت ختم ہوگئی پھر شوہر کا انتقال ہوا تو اسے وفات کی عدت نہیں گزارنی ہے کیونکہ شوہر سے جدا ہوچکی ہے۔

(۵) عدت کے دوران سفر کرنا منع ہے اس لئے حج وعمرہ کا سفر ہویا تفریح کا سفر یا بلاضرورت سفر (گھر سے باہر نکلنا) ہو یہ سب بیوہ کے لئے دوران عدت ممنوع ہیں لیکن وہ ضرورت کے تحت سفر کرسکتی ہے مثلا شوہر کے گھر عدت گزارنا مامون نہ ہو یا دوسرے کا گھر ہو تو مامون ومناسب جگہ منتقل ہوکر عدت گزار سکتی ہے، اسی طرح کوئی ضرورت کی چیز لادینے والا نہ ہو تو خود سے باہر نکل کر اشیاء ضروریہ خرید سکتی ہے اور اگر بیمار پڑجائے تو علاج کی غرض سے بھی گھر سے نکل سکتی ہے یعنی بیوہ کے لئے دوران عدت ضرورت کے تحت باہر

جانا جائز ہے۔ایک اور بات اہم ہے کہ اگرعورت سفر پہ ہو اورابھی دور نہیں گئی ہو وہاں شوہر کی وفات کی خبر ملے تو سفر سے لوٹ جائے اور شوہر کے گھر عدت گزارے لیکن سفر ضروری ہو اور منزل کے قریب پہنچ گئی ہو مثلاً حج یا عمرہ کا سفر تو اپنا حج وعمرہ مکمل کرلے۔

دوسرا مسئلہ:

بیوہ کے لئے جہاں چار ماہ دس دن عدت گزارنا ہے وہیں اس کے لئے ان دنوں سوگ منانے کا بھی حکم ہوا ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

لا يحلُّ لامرأةٍ تؤمنُ باللهِ واليومِ الآخرِ أنْ تحدَّ على ميِّتٍ فوقَ ثلاثِ ليالٍ، إلَّا على زوجٍ أربعةَ أشهُرٍ وعشراً (صحیح البخاری:۵۳۳۴)

ترجمہ: کسی عورت کے لیے جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہو یہ جائز نہیں کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے، صرف شوہر کے لیے چار مہینے دس دن کا سوگ ہے۔

اب ہمیں جاننا یہ ہے کہ سوگ منانے کا اسلامی طریقہ کیا ہے؟ سوگ میں زینت اور بناؤ سنگار کی چیزیں استعمال کرنا منع ہیں۔خوشبو اور سرمہ سے بھی پرہیز کرنا ہے جیسا کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ سے روایت کرتی ہیں۔

كنا نُنْهَى أن نُحِدَّ على مَيِّتٍ فوق ثلاثٍ، إلا على زوجٍ أربعةَ أشهرٍ وعَشْرًا، ولا نَكْتَحِلَ، ولا نتطيب، ولا نلبَسَ ثوبًا مَصبوغًا إلا ثَوْبَ عَصْبٍ، وقد رُخِصَ لنا عند الطُّهرِ، إذا اغتسلَتْ إحدانا من مَحِيضِها، في نُبذَةٍ مِن كُسْتِ أظفارٍ، وكنا نُنْهَى عن اتباعِ الجنائزِ. (صحیح البخاری:۳۱۳)

ترجمہ: ہمیں کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے منع کیا جاتا تھا لیکن شوہر کی موت پر چار مہینے دس دن کے سوگ کا حکم تھا۔ان دنوں میں ہم نہ سرمہ لگاتیں نہ خوشبو اور عصب (یمن کی بنی ہوئی ایک چادر جو رنگین ہوتی تھی) کے علاوہ کوئی رنگین کپڑا ہم استعمال نہیں کرتی تھیں اور ہمیں (عدت کے دنوں میں) حیض کے غسل کے بعد کست اظفار (خوشبو) استعمال کرنے کی اجازت تھی اور ہمیں جنازہ کے پیچھے چلنے سے منع کیا جاتا تھا۔

اس حدیث کی روشنی میں بیوہ عورت عدت کے دوران رنگین وچمکدار کپڑے، ریشمی اور زعفرانی لباس، زینت کی چیزیں مثلا کان کی بالی، نان کا نگ، پازیب، کنگن، ہار، انگوٹھی، چوڑیاں، کریم، پاؤڈر، خوشبودار تیل، عطر، سرمہ، مہندی وغیرہ استعمال نہیں کرے گی۔حیض سے پاکی پر معمولی مقدار میں بخور وغیرہ استعمال کرسکتی ہے اور دوا کے طور پر سرمہ بھی استعمال کرسکتی ہے مگر صرف رات میں۔

خلاصہ یہ ہے کہ سوگ میں عورت پر غم کے آثار ظاہر ہوں اس وجہ سے زینت کی چیزیں استعمال کرنا منع ہے۔ سفید کپڑا ہی بیوہ کی علامت نہیں ہے کوئی بھی عام سادہ کپڑا جو خوبصورت نہ ہو پہن سکتی ہے اور ضرورت کی چیزیں انجام دینے مثلا کھانا پکانے، پانی بھرنے، جھاڑو دینے، غسل کرنے، کپڑا صاف کرنے، بات چیت کرنے اور گھریلو امور انجام دینے میں کوئی حرج نہیں ہے یہاں تک کہ اگر کوئی ملازمت ہو اور چھٹی کی کوئی گنجائش نہ ہو تو بناؤ سنگار سے بچتے ہوئے ملازمت بھی کرسکتی ہے کیونکہ یہ ضرورت

میں داخل ہے۔ بلاضرورت بات چیت، ہنسی مذاق، گھر سے نکل کر کام کرنا (الا یہ کہ اشد ضرورت ہو) ٹیلی ویژن، ریڈیو، اخبار اور موبائل کا بلاضرورت استعمال کرنا یعنی وقت گزاری کے لئے منع ہے۔ خالی وقت میں قرآن کی تلاوت، ذکرواذکار، دعاواستغفار اور کتب احادیث وسیر کا مطالعہ بہتر ہے۔

تیسرا مسئلہ:

جب بیوہ کی عدت مکمل ہوجائے یعنی وہ بطور عدت چار ماہ دس دن (ایک سوتیس دن) پورے کرلے تو جہاں چاہے دوسرے دیندار مرد سے شادی کرسکتی ہے۔ اس سے تنہائی کی حفاظت اور پاکدامنی نصیب ہوگی نیز معاش کا مسئلہ بھی حل ہوجائے گا۔ سماج میں اولاد والی خاتون کا شادی کرنا معیوب مانا جاتا ہے جو کہ سراسر غلط ہے۔ یہاں میں ان مردوں کو بھی مخاطب کرنا چاہتا ہوں جن کی بیوی کی وفات ہوگئی وہ کسی بیوہ خاتون سے شادی کرکے اپنی اور اس کی زندگی بہتر بنالیں۔ بیوہ سے کوئی ضروری نہیں ہے کہ شادی شدہ مرد ہی شادی کرے، غیر شادی شدہ مرد بھی شادی کرسکتا ہے۔ نبی ﷺ کا پہلا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا تھا آپ ﷺ غیر شادی شدہ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا بیوہ تھیں۔ ان کے علاوہ کئی بیوہ خاتون سے آپ ﷺ نے نکاح کیا۔

یہاں یہ خیال رہے کہ دوسری شادی عدت کے بعد ہی ہوگی، عدت کے دوران نکاح اور پیغام نکاح دونوں غلط ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ لڑکی باکرہ ہو یا ثیبہ دونوں کو ولی کی اجازت لینی ہوگی۔

شیخ البانیؒ نے صحیح ابن ماجہ (رقم: ۱۵۳۷) کے تحت ذکر کیا ہے: "لانِكاحَ إلّا بولِيّ" نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ بغیر ولی کے نکاح نہیں ہے۔ اسی طرح صحیح ابوداود للالبانی (رقم: ۲۰۸۳) میں ہے:

أيُّما امرأةٍ نَكَحَت بغيرِ إذنِ مَواليها ، فنِكاحُها باطلٌ ، ثلاثَ مرَّاتٍ۔ یعنی جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا اس کا نکاح باطل ہے۔ یہ بات آپ ﷺ نے تین بار کہی۔

چوتھا مسئلہ:

شوہر کی وفات کے بعد اس کا چھوڑا ہوا مال اس کے وارثین میں تقسیم کیا جائے گا۔ وارثین میں بیوہ بھی داخل ہے۔ اگر بیوہ کو اولاد ہو تو کل مال کا آٹھواں حصہ ملے گا لیکن اگر کوئی اولاد نہ ہو تو چوتھائی مال کا مستحق ہے۔ میت کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو آٹھواں یا چوتھائی حصہ میں سے سب برابر برابر مال لے گی۔ میراث اس بیوہ کو بھی ملے گا جس سے صرف عقد ہوا ہو اور شوہر نے دخول نہیں کیا ہو، اسی طرح مطلقہ رجعیہ بھی میراث کی مستحق ہے۔

پانچواں مسئلہ:

بیوہ سے متعلق لوگوں میں کئی قسم کی غلط فہمیاں بھی پائی جاتی ہیں اس میں ان کا ازالہ کیا جاتا ہے۔

(۱) عورتوں میں ایک خیال عام ہے کہ بیوہ کو لازما سفید کپڑا ہی پہننا ہوگا، اسی عقیدہ کے تحت بہت سی بیوہ خواتین جو دوسری شادی نہیں کرتیں مرتے دم تک سفید لباس ہی پہنتی ہیں جبکہ یہ خیال غلط ہے۔ کالا، ہرا، نیلا کوئی بھی سادہ لباس بیوہ عدت میں پہن سکتی ہے۔

(۲) بیوہ کا مردوں سے بات کرنا یا موبائل و ٹیلی فون سے رابطہ کرنا بھی برا سمجھا جاتا ہے۔ یہ خیال بھی درست نہیں ہے، ہاں بس ضرورت کی حد تک بات کرے۔

(۳) گھر میں بغیر چپل کے چلنا، چاندنی رات میں نکلنا یا ہفتہ میں ایک سے زائد بار نہانا غلط تصور کیا جاتا ہے جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ بیوہ چپل وبغیر چپل چل سکتی ہے، چاندنی رات میں گھر کے آنگن یا چھت پہ ٹہل سکتی ہے اور جتنی بار نہانے کی ضرورت ہو نہا سکتی ہے۔ نہانے میں بغیر خوشبو کا صابن استعمال کرے۔

(۴) عدت مکمل کرنے پر مخصوص طریقہ بھی کہیں کہیں رائج ہے مثلا ضروری طور پر نہانا، ضروری طور پر خوشبو استعمال کرنا یا لازما خواتین میں زینت کا اظہار کرنا، یہ سب دین اسلام میں سے نہیں ہے یعنی عدت مکمل کرنے کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ دوسروں کی جانکاری کے لئے لازما زینت استعمال کرے۔(۱)

(۵) بیوہ کو حقارت کی نظر سے دیکھنا یا اس کے شوہر کی وفات سے کسی قسم کی نحوست لینا بھی بے دینی وجہالت ہے۔

(۶) بیوہ سے شادی یا بیوہ کی شادی بھی نادانوں کی نظر میں غلط معلوم ہوتی ہے حالانکہ شادی سکون، عفت، برکت، روزی اور بے حیائی سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

(۷) ایک بھیانک غلط خیال یہ بھی عوام الناس میں منتشر ہے کہ شوہر کی وفات سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اس لئے میاں بیوی ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہوجاتے ہیں لہذا بیوی شوہر کو چھو نہیں سکتی، دیکھ نہیں سکتی، غسل نہیں دے سکتی۔ یہ ساری باتیں غلط ہیں۔ شوہر سے نکاح ٹوٹ جانے کی کوئی دلیل نہیں اور نہ ہی زوجین ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں۔ وفات کے بعد بیوی شوہر کو دیکھ سکتی ہے، چھو بھی سکتی ہے اور نہلا بھی سکتی ہے۔

بیوہ سے متعلق یہ مختصر احکام تھے، ان کی جانکاری دوسروں کو بھی دیں تاکہ لوگوں میں بیوہ کے دینی احکام عام ہوں اور لوگ جہالت سے بچ سکیں۔

ماہنامہ ''محدث'' صرف دینی، اصلاحی اور علمی مجلہ نہیں، بلکہ ایک دعوتی تحریک ہے۔ اس لیے ادارہ محدث اہل قلم حضرات سے گزارش کرتا ہے کہ وہ اپنے تازہ اور گراں قدر مضامین اشاعت کے لیے ارسال فرمائیں۔ اگر کوئی مضمون ترجمہ کیا ہوا ہو تو اس کے ساتھ اصل بھی بھیجیں تاکہ بوقت اصلاح وضرورت اصل کی طرف رجوع کیا جاسکے۔ ایسے مضمون کو اولیت دی جائے گی جو منہج سلف کا آئینہ دار ہو اور زبان وبیان اور سلاست وروانی کے اعتبار سے معیاری ہو۔

(۱) کہیں کہیں یہ رسم ورواج بھی پایا جاتا ہے کہ اختتام عدت کے وقت کھانے پینے کا زبردست اہتمام کیا جاتا ہے اور پڑوس کی عورتوں کی دعوت ہوتی ہے جس طرح بعض علاقوں میں عورت کے بالغ ہونے کے وقت دعوت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں از روئے شرع ثابت نہیں ہیں۔ (محمد اسلم مبارک پوری)

ویلنٹائن ڈے اور اس کی شرعی حیثیت

محمد غفران سلفی

آج ہر چہار جانب برائی وبے حیائی، بدکاری وزناکاری کا دور دورہ ہے، انٹرٹینمنٹ اور تفریح کے نام پر مختلف قسم کی برائیاں سماج ومعاشرے میں جنم لے کر اس کو دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں اور نوجوان نسل جو کہ قوم وملت کے معمار ہوتے ہیں ان کو بے راہ روی، فحاشی وبے حیائی اور عریانیت کا عادی بنا رہی ہیں۔ انہیں بے حیائیوں اور بدکاریوں میں سے ایک برائی اور بے حیائی ''ویلنٹائن ڈے'' بھی ہے، جس کو ''یوم عشاق'' یا ''یوم عاشقاں'' کے نام پر ہر سال ۱۴؍فروری کو پوری دنیا میں بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے اور محبت کے نام پر بدکاری وزناکاری اور بے حیائی وفحاشی کی تمام حدیں پار کردی جاتی ہیں اور اس لعنت کو عام کرنے میں پرنٹ والیکٹرانک اور سوشل میڈیا اپنا بھرپور کردار نبھا رہے ہیں اور اس مرض میں نام نہاد لبرل اور اباحیت پسند طبقہ کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد ملوث نظر آتی ہے۔

ویلنٹائن ڈے کی حقیقت اور اس کا تاریخی پس منظر:

ویلنٹائن ڈے کی تاریخی پس منظر کے بارے میں مؤرخین نے تین واقعات بیان کیے ہیں:

پہلے واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رومیوں کا ایک مذہبی تہوار تھا جسے وہ اپنے محبت کے دیوتا لوپرکالیا (Loper Calia) کے نام پر جشن اور خوشی کے طور پر مناتے تھے جس میں لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے کے ساتھ ناچتے گاتے اور خوشی مناتے تھے۔

دوسرا واقعہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ یہ دن ''ویلنٹائن نامی'' ایک عاشق پادری کی یادگار ہے، جو کہ ایک راہبہ پر عاشق وفریفتہ ہوگیا تھا اور ان کا یہ عشق ومعاشقہ حد سے تجاویز کرگیا۔ بالآخر ۱۴؍فروری کو دونوں نے اپنا منہ کالا کیا جس کے پاداش میں کلیسا کے حکم پر ان کو قتل کردیا گیا اور پھر ایک مدت کے بعد عیاش واوباش قسم کے نوجوانوں نے اسے ''شہید محبت'' کا خطاب دیا اور عشق ومحبت کے اظہار کے لیے ۱۴؍فروری کو ویلنٹائن ڈے کے نام سے باقاعدہ طور پر منانا شروع کردیا۔

تیسرے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی عیسوی میں ویلنٹائن نامی ایک پادری نے بادشاہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے فوجیوں کے درمیان نکاح کا سلسلہ شروع کیا اور بادشاہ کی جانب سے ممانعت کے باوجود بھی وہ اپنے کام پر قائم رہا۔ چنانچہ اس جرم کے پاداش میں اس کو پھانسی کی سزا سنائی گئی اور اس کے ساتھ ہی بادشاہ نے عیسائیت کو ترک کرکے رومی مذہب اختیار کرنے پر اس کے لیے معافی کا اعلان بھی کیا لیکن اس نے رومی مذہب کو اختیار

کرنے کے بجائے عیسائیت پر مرنے کو ترجیح دی۔ بالآخر ۱۴رفروری ۲۷۰ء کو اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ چنانچہ پادریوں نے اس کو ''بزرگ پادری'' کا خطاب دیا اور ہر سال اس کی یادگار منانے کا سلسلہ شروع کیا۔

قارئین کرام! اگر ویلنٹائن ڈے کی تاریخی پس منظر کا ایک تنقیدی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کا تعلق عشق وعاشقی اور پیار محبت کی ایک موہوم داستان سے ہے۔ اسی بنا پر اس دن کو جشن اور خوشی کے طور پر منانے کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دے سکتا۔

ویلنٹائن ڈے قرآن وسنت کی نظر میں:

اب آیئے ہم شرعی طور پر اس کے مفاسد ونقصانات اور شناعت وقباحت کا جائزہ لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آخر مذہب اسلام اس مخصوص محبت کے دن کو جشن اور خوشی کے طور پر منانے کی اجازت کیوں نہیں دیتا؟

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اسلام میں صرف دو ہی دن ایسے ہیں جس میں شرعی طور پر جشن اور خوشی منانے کی اجازت دی گئی ہے۔ ایک یوم الفطر اور دوسرا یوم الاضحیٰ۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو ان لوگوں کے سال میں دو دن مقرر تھے جن میں وہ کھیلتے وخوشیاں مناتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: یہ دو دن کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا: زمانۂ جاہلیت سے ہم ان دنوں میں کھیلتے اور خوشی مناتے چلے آرہے ہیں، آپ نے فرمایا: ''قد أبدلکم اللہ بهما خیراً منهما: یوم الفطر ویوم الأضحی'' (رواہ النسائی: ۱۵۵۶، وصححہ الالبانی) اللہ تعالی نے تم کو ان کے بدلہ میں دو بہتر دن عطا فرما دیے ہیں اور وہ ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن۔

اس دن کو منانے کی دوسری قباحت یہ ہے کہ اس سے یہود ونصاری اور اباحیت پسند طبقہ کی مشابہت لازم آتی ہے اور اسلام ان کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کرتا ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے: ''من تشبه بقوم فهو منهم'' (رواہ ابوداود: ۴۰۳۰، وصححہ الالبانی) یعنی: جس شخص نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انہیں میں سے ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث کفار کے اقوال وافعال، لباس، پہناوے، تہوار وعبادات اور ان کے علاوہ دیگر ایسے امور میں جسے ہماری شریعت نے مشروع وجائز قرار نہیں دیا ہے اس میں مشابہت اختیار کرنے پر وعید، دھمکی اور سخت ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۳۸)

ویلنٹائن ڈے کے اندر تیسری خرابی یہ ہے کہ اس سے بے حیائی، فحاشی، بے غیرتی اور بدکاری وزنا کاری کو فروغ ملتا ہے اور اسلام بے حیائی وزنا کاری سے نہ صرف منع کرتا ہے بلکہ ان امور وعوامل سے بھی روکتا ہے جو اس کے قریب لے جانے کا ذریعہ اور سبب بنتے ہیں، فرمان الٰہی ہے: [وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ] (الانعام: ۱۵۱) اور تم ظاہر وباطن فواحش ومنکرات کے قریب بھی مت جاؤ۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا: [وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا] (الاسراء: ۳۲) یعنی: اور تم زنا کے قریب نہ جاؤ یقیناً وہ فحش کام اور برا راستہ

ہے۔

ویلنٹائن ڈے کی شناعت وقباحت میں سے یہ بھی ہے کہ اس موقع پر مختلف شکلوں میں اموال کوضائع وبرباد کیا جاتا ہے اور اسراف وفضول خرچی کی اعلی مثال قائم کی جاتی ہے بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ یہ تہوار ہی بے حیائی وبرائی اور اسراف وتبذیر کا مجموعہ ہے اور اسلام نے اسراف وفضول خرچی کرنے سے نہ صرف منع کیا ہے بلکہ ایسا کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: [وَلاَ تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا، إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ] (الاسراء: ۲۶۔ ۲۷) تم فضول خرچی نہ کرو کیوں کہ فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

اسراف وفضول خرچی کرنے والے شخص سے کل قیامت کے دن سخت محاسبہ کیا جائے گا، ارشاد نبوی ہے: ’’لا تزول قدما ابن آدم يوم القيامة من عند ربه حتى يسأل عن خمس: ومنها: ومن ماله من أين اكتسبه وفيم أنفقه‘‘ (رواه الترمذی: ۲۳۵۴، وحسنه الألبانی في صحيح الجامع الصغير: ۷۲۹۹) یعنی قیامت کے دن ابن آدم کا قدم اپنے رب کے پاس سے جنبش تک نہ کرسکے گا یہاں تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ کرلیا جائے، اورانہی میں سے ایک چیز یہ ہے کہ اس سے اس کے مال کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اسے کہاں سے کمایا اور کہاں پر خرچ کیا؟

مذکورہ بالا حدیث پر اسراف وفضول خرچی کرنے والے ذرا غور کریں کہ وہ قیامت کے دن اپنے رب کو کیا جواب دیں گے؟

ویلنٹائن ڈے کی سب سے بڑی شناعت وقباحت یہ ہے کہ اس میں بشمول برائی وبے حیائی اور بدکاری وزنا کاری کے مختلف سماجی ومعاشرتی برائیوں کوفروغ ملتا ہے۔ ارشاد الہی ہے: [إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ] (النور: ۱۹)

بے شک جو لوگ اہل ایمان کے اندر فحش کاری وبدکاری پھیلانا پسند کرتے ہیں ان کے لیے دنیا وآخرت میں دردناک اور سخت عذاب ہے۔

قارئین کرام! اس کے علاوہ بھی ویلنٹائن ڈے کے بہت سے مفاسد ونقصانات ہیں جن کا اندازہ ہم خود اپنے سماج ومعاشرے میں بخوبی کرسکتے ہیں۔ یہی وہ اسباب وعوامل اور مفاسد ونقصانات ہیں کہ اسلام میں ویلنٹائن ڈے کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اس کا منانا ناجائز اور حرام ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام وخواص مل کرکے اس لعنت کو سماج ومعاشرے سے ختم کرنے کی کوشش کریں، ورنہ وہ دن دور نہیں جب مغرب کی طرح یہاں بھی ماں باپ اور بھائی بہن کا فرق وامتیاز مٹ جائے گا اور نظام زندگی درہم برہم ہوکر رہ جائے گا اور ہر طرف فحاشی وبے حیائی کا دور دورہ ہوگا۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور ہمارے سماج ومعاشرے کو اس قسم کے قبیح اعمال سے دور رہنے کی توفیق دے، آمین۔

• • •

منشیات کی حرمت

کاشف شکیل سلفی

تمام تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے ۔ (الفاتحہ:۲) جو ہمارے لیے سختی کے بجائے آسانی کا ارادہ رکھتا ہے۔ (البقرہ: ۱۸۵) ہمارے بوجھ کو کم کرتا ہے۔ (النساء:۲۸) اور ہمیں حرج میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا، ہمیں پاک وصاف کرنا اور اپنی نعمتوں سے نوازنا چاہتا ہے۔ (المائدہ:۶) اسی لیے اس نے ہمیں ایسی چیزوں کا مکلف نہیں کیا جو ہمارے بس سے باہر ہوں۔(البقرہ:۲۸۶)

نیز درود وسلام کا نزول ہو محمد ﷺ پر جن کو اللہ نے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔ (انبیاء : ۱۰۷) جن کو ہماری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے اور جو ہماری منفعت کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں اور ہمارے لیے رؤف ورحیم ہیں۔(التوبۃ:۱۲۸)

اللہ نے انسانی زندگی کی تخلیق کی اور انحصار زیست غذا پر رکھا پھر غذائیں دو وصف سے خالی نہیں یا تو وہ حلال ہیں یا حرام، اللہ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کی غذا کے لیے جنتی پھل اور میوے پیدا کیے مگر ساتھ ہی ایک درخت کا پھل کھانے سے روک دیا، یہیں سے انسانوں کے لیے غذاؤں کی حلت وحرمت کی تاریخ شروع ہوتی ہے، آدم علیہ السلام نے جب شجر ممنوعہ کا پھل کھایا تو اللہ نے ان کو جنت بدر کر دیا، یہیں سے یہ پیغام بھی ملا کہ حرام غذاؤں کا استعمال انسان کو ثریا سے زمین پر پہنچا دیتا ہے۔(تفصیل کے لیے دیکھئے:البقرۃ:۳۵،اعراف:۱۹،طہ:۱۲۰)

غذاؤں کی حلت وحرمت کا اصول حکمتوں والے اللہ نے قرآن میں بتاتے ہوئے فرمایا: [كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ] (البقرۃ: ۵۷، ۱۷۲) یعنی ہماری عطا کردہ پاک چیزوں ہی کو کھاؤ۔

نیز نبی ﷺ کی بعثت کے جن مقاصد کو قرآن نے بیان کیا ہے ان میں سے ایک اہم مقصد لوگوں کے لیے پاکیزہ اور نفع بخش چیزوں کو حلال ٹھہرانا اور خبیث ونقصان دہ چیزوں کو حرام قرار دینا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا: [وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ] (الاعراف:۱۵۷)

جن خبیث چیزوں کو شارع نے حرام قرار دیا ہے ان میں ایک اہم صنف ''منشیات'' ہے اور یہی ہمارا زیر بحث موضوع ہے۔

نشہ ایک دینی، اخلاقی، سماجی اور اقتصادی جرم ہے۔ دنیا کے تمام بڑے مذاہب نے اس کو ناپسندیدہ اور مہلک گردانا ہے مگر کیا کیا جائے انسان کی باغیانہ ذہنیت اور نفسانی خواہشات کا، جو ہر دم قوانین فطرت کے خلاف بغاوت پر آمادہ نظر آتی ہے، دور حاضر میں انسانیت جس اخلاقی پستی

اور دین بیزاری کا شکار ہے وہ کسی پر مخفی نہیں، منشیات اور مخدرات اشیاء کا استعمال عام ہو گیا ہے، لوگ شراب نوشی اور دیگر نشہ آور اشیاء کا بے دریغ استعمال کرنے لگے ہیں، اور شیطان نے ان کے اس برے عمل کو اس طرح مزین کر دیا ہے کہ وہ اس کو تہذیب وترقی، تمدن اور کلچر کا نام دینے گے ہیں حالانکہ اگر انہیں عقل وسمجھ ہوتی تو وہ منشیات کے اندر پائے جانے والے دینی، دنیوی، معاشرتی اور جسمانی نقصانات ہی کو کافی سمجھتے، مگر شیطان انہیں گمراہ کر چکا ہے، یہاں تک کہ انہوں نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا جیسا کہ اللہ نے فرمایا: [أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً] (الجاثیۃ: ۲۳) کیا آپ نے اسے بھی دیکھا؟ جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور باوجود سمجھ بوجھ کے اللہ نے اسے گمراہ کر دیا ہے اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی ہے اور اس کی آنکھ پر بھی پردہ ڈال دیا ہے۔ (ترجمہ جونا گڑھی)

منشیات:

موضوع زیر بحث میں منشیات سے مراد ''خمر'' ہے۔ خمر ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو نشہ آور ہو اور عقل کو ڈھانپ لے، عمر رضی اللہ عنہ نے خمر کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ''والخمر: ما خامر العقل'' (بخاری: ۴۶۱۹، ۵۵۸۱، ۵۵۸۸، مسلم: ۳۰۳۲، ابوداود: ۳۶۶۹، نسائی: ۵۵۷۸) یعنی خمر وہ ہے جو عقل کو ڈھانپ لے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی لمبی شرح کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں عمر رضی اللہ عنہ نے خمر کی اصطلاحی تعریف بیان کی ہے اور اس میں تمام مسکرات شامل ہیں۔ جوہری، ابونصر قشیری اور ابوحنیفہ دینوری جیسے مشہور علماء لغت کی یہی رائے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خمر ہر قسم کی نشہ آور شئی کو شامل ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے: ''کل مسکر خمر وکل خمر حرام'' (مسلم: ۲۰۰۳، ابوداود: ۳۶۷۹، ترمذی: ۱۸۶۱، نسائی: ۵۵۸۲، ابن ماجہ: ۳۳۹۰) یعنی ہر نشہ آور شئی خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے۔

مذکورہ بالا تصریح سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ مسکر اور خمر میں کوئی فرق نہیں۔ یہ بیان قطعی ومتواتر ہے۔ اسی وجہ سے اس پر عمل ہوتا آیا ہے، نبی ﷺ اور خلفاء راشدین ہر اس شخص کو کوڑا مارتے تھے جس کو نشہ ہو جاتا تھا اور اس کو حد خمر یا عقوبت خمر سے تعبیر کرتے تھے یعنی نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے سامنے ہر مسکر چیز کو خمر کے حکم میں سمجھا جاتا تھا۔

منشیات کی حرمت:

ذیل میں منشیات کی حرمت پر چند دلائل پیش خدمت ہیں:

قرآنی بیان کے مطابق منشیات کو اللہ نے چار مرحلوں میں بتدریج حرام قرار دیا، ابتدائے اسلام میں یہ چیز حلال تھی (النحل: ۶۷) پھر اس کے مضرات بیان کیے گئے جیسا کہ اللہ نے فرمایا: [يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا] (البقرۃ: ۲۱۹) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا مسئلہ پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجئے ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو اس سے دنیاوی فائدہ بھی ہوتا ہے لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے

بہت زیادہ ہے۔

بعدہ اللہ تعالی نے حالت نشہ میں نماز کے قریب جانے سے منع کردیا اور فرمایا: [لاَ تَقْرَبُواْ الصَّلاَةَ وَأَنتُمْ سُكَارَى] (النساء: ۴۳) یعنی تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ اور آخر میں اس کو مطلقاً حرام قرار دے دیا اور یہ آیت نازل ہوئی: [يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالأَنصَابُ وَالأَزْلاَمُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ] (المائدہ: ۹۰) اے ایمان والو! شراب، جوا، بت اور فال کے تیر سب شیطان کے گندے کام ہیں، ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

نبی ﷺ نے فرمایا: "کل مسکر خمر وکل خمر حرام" (مسلم: ۲۰۰۳) یعنی ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر خمر حرام ہے۔

نیز فرمایا: "کل مسکر حرام" (بخاری: ۴۳۴۴، ۶۱۲۴، مسلم: ۱۷۳۳، ۲۰۰۲) یعنی ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔

نیز فرمایا: "ولا تشربوا مسکرا" (مسلم: ۹۷۷، ۱۹۷۷) یعنی نشہ آور مشروب نہ پیو۔

نیز فرمایا: "وإنی أنھاکم عن کل مسکر" (ابوداود: ۳۶۷۷) یعنی میں تمہیں ہر نشہ آور چیز سے منع کرتا ہوں۔

واضح رہے کہ منشیات کی حرمت کے سلسلے میں بے شمار احادیث وارد ہیں جو معنوی اعتبار سے تواتر کے درجہ کو پہنچتی ہیں، لہذا ہم انہیں احادیث پر اکتفا کرتے ہیں۔

نیز بدیہی طور پر یہ بات معلوم ہے کہ اسلام چھ چیزوں کی حفاظت کا ضامن ہے: (۱) دین کی حفاظت کے لیے جہاد کی مختلف قسمیں ہیں (۲) نفس کی حفاظت کے لیے قصاص مشروع ہے (۳) مال کی حفاظت کے لیے چوری وڈکیتی پر حد متعین ہے (۴) نسب کی حفاظت کے لیے نکاح کو مشروع قرار دیا گیا اور زنا کو حرام (۵) عقل کی حفاظت مخدرات ومسکرات اور جملہ اقسام منشیات کی حرمت کی متقاضی ہے۔ لہذا یہ ساری چیزیں حرام قرار پائیں (۶) عزت وناموس کی حفاظت کے لیے اللہ نے قذف وبہتان تراشی کو حرام قرار دیا۔

نیز اجماع وقیاس بھی اس کی حرمت پر دال ہیں، ساتھ ہی فطرت وعقل اور جدید سائنس بھی اس کی حرمت کا مطالبہ کرتی ہے۔

منشیات کا استعمال گناہ کبیرہ ہے، گناہ کبیرہ اس گناہ کو کہتے ہیں جس کے متعلق حد، لعنت یا سخت وعید موجود ہو۔ اور یہ تینوں چیزیں خمر میں یکجا ہیں۔

(۱) حد: رسول اللہ ﷺ نے شرابی پر حد جاری کرنے کا حکم دیا ہے اور اسی طرح خلفاء راشدین نے بھی شرابی پر حد قائم کی ہے۔ (بخاری: ۶۷۷۳، ۶۷۷۶)

(۲) لعنت: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لعن اللہ الخمر وشاربھا" (ابوداود: ۳۶۷۴، وصححہ الالبانی) یعنی شراب اور شراب پینے والے پر اللہ کی لعنت ہو۔

(۳) وعید: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ولا یشرب الخمر حین یشرب وھو مؤمن" (بخاری: ۲۴۷۵) یعنی شرابی شراب پیتے وقت مومن نہیں رہتا۔

واضح رہے کہ جس کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: "ما أسکر کثیرہ فقلیلہ حرام" (ابوداود: ۳۶۸۱، وقال الالبانی: حسن صحیح) جس کی زیادہ مقدار نشہ آور ہو اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔

اس معنی میں دوسری جگہ فرمایا: "وما أسکر منہ الفرق فملأ الکف منہ حرام" (ابوداود: ۳۶۸۷، وصححہ الالبانی) جو چیز فرق بھر نشہ لاتی ہے اس کا ایک چلو بھی حرام ہے۔ فرق ایک پیمانہ ہے جو سولہ رطل کے برابر ہوتا ہے۔

مسلمانوں میں منشیات کے شیوع کے اسباب:

مسلمانوں کے اندر مسکرات ومخدرات کے پھیلنے کے چند اسباب درج ذیل ہیں:

۱۔ اہل مغرب سے اختلاط اور ان کی مشابہت اختیار کرنا۔

۲۔ الحاد ومغربیت زدہ اہل مشرق کے ساتھ رہنا سہنا۔

۳۔ اباحیت واخلاقی گراوٹ اور آداب شریعت سے بیزاری۔

۴۔ علماء صالحین کی قلت اور علماء سوء کی کثرت۔

۵۔ صحیح تعلیم وتربیت کا فقدان۔

۶۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے دوری۔

۷۔ حد شراب کی عدم تنفیذ۔

۸۔ فلم بینی جس میں اباحیت پسندی اور مخدرات کے استعمال پر ابھارا جاتا ہے۔

۹۔ امراء کی بے راہ روی جس سے عوام بھی انہیں کی تقلید میں مخدرات کا استعمال کرتی ہے۔

۱۰۔ خفیہ تنظیمیں جو مخدرات کا کاروبار کرتی ہیں۔

نشہ کے اضرار ومفاسد:

نشہ کے اضرار جسمانی، معاشرتی، اقتصادی اور دینی ہیں۔

جسمانی اضرار:

اطباء کے بقول نشہ انسانی جسم کو کھوکھلا کر دیتا ہے، قوت دفاع اور فکر وشعور کو سلب کر لیتا ہے، قوت حافظہ اور قوت باہ میں کمزوری آجاتی ہے، فساد معدہ، خواہش طعام کا فقدان، شکل وصورت اور ہیئت میں تبدیلی، دوران خون کا متاثر ہونا، رگ وریشہ میں سوزش، جگر وگردہ اور سل کے امراض، حاسۂ ذوق (ذائقہ کی حس) کا خاتمہ، التہاب حلق، احتقان والتہاب معدہ، آنت میں پھوڑے ہونا، جگر کا بڑھ جانا، فساد دم، نظام تنفس کی کمزوری، آواز میں خشونت، بھدا پن اور کھانسی، جنون اور دیگر امراض منشیات کے استعمال کے نتیجہ میں ہوتے ہیں۔ (شراب اور منشیات کی حرمت از احمد بن حجر آل بوطامی وماہنامہ محدث بنارس اکتوبر ۱۹۹۴، ملخصا)

معاشرتی نقصانات:

ذرا سی بات پر آپس میں جھگڑے، گالم گلوج، اور سب وشتم کرنا، اسی بناء پر اللہ تعالی نے فرمایا: [إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ] (المائدہ: ۹۱) شیطان تو چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ تمہارے

درمیان عداوت اور بغض واقع کرادے اور اللہ کی یاد اور نماز سے تم کو باز رکھے سو اب بھی باز آجاؤ۔

معاشرتی نقصانات میں سے راز ونیاز کی باتوں کا انتشار کرنا، شرابی کا معاشرے میں ذلیل ورسوا ہونا وغیرہ ہے، نیز لوگ شرابی پر ہنستے ہیں، اس طرح شراب کے نشہ میں بہت سارے ایسے جرائم واقع ہوتے ہیں جن کا سماج ومعاشرہ پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔

اقتصادی نقصانات:

نشہ کا عادی شخص منشیات کے حصول کے لیے اپنا سب کچھ تج دیتا ہے، بے روزگاری اور بدحالی کا شکار ہوجاتا ہے، کئی ملازمین اور طلبہ نشہ کی وجہ سے اپنی ڈیوٹی اور کلاس میں نہیں حاضر ہوتے۔

اخلاقی اضرار:

نشہ انسان کی عقل کو زائل کردیتا ہے اور خیر وشر کی تمیز کو ختم کردیتا ہے، جھوٹ، چوری، بزدلی، بے حیائی، بدگوئی نشہ باز کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے۔

دینی نقصانات:

(۱) نشہ باز شخص کوئی عبادت ادا نہیں کرسکتا خصوصا نماز جو دین کا ستون ہے۔(المائدہ:۹۱)

(۲) یہ ام الخبائث ہے، بدمست شخص اپنے نشہ میں کئی ایک گناہ کر بیٹھتا ہے، نبی ﷺ نے ابودرداء رضی اللہ عنہ کو وصیت کی: ”لا تشرب الخمر فإنها مفتاح كل شر“ (ابن ماجہ:۳۳۷۱، وصحہ الالبانی) یعنی تم شراب نہ پیو اس لیے کہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ شراب نوشی سے بچو اس لیے کہ یہ ام الخبائث ہے۔

پرانے زمانے میں ایک عابد وزاہد شخص تھا ایک عورت نے اس کو کسی کام کے بہانے اپنے گھر بلایا اور جب وہ گھر میں داخل ہوا تو عورت نے دروازہ بند کردیا اور اس کو تین چیزوں میں سے کسی ایک چیز کے کرنے پر مجبور کیا: (۱) میرے ساتھ بدکاری کرو (۲) نوزائیدہ بچے کو قتل کرو (۳) شراب نوشی کرو۔ چنانچہ اس عابد وزاہد نے شراب کو ہلکا گناہ سمجھ کر پی لیا اور وہ مدہوش ہوگیا اور پھر اس نے زنا بھی کیا اور اس کے بچے کے قتل کا بھی مرتکب ہوا۔ (نسائی: ۵۶۶۶، وصحہ الالبانی)

(۳) اسراف وفضول خرچی: منشیات کا استعمال فضول خرچی کا ایک اہم سبب ہے، اللہ نے فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔(الاسراء:۲۶، ۲۷) نبی ﷺ نے بھی مال ضائع کرنے سے منع کیا ہے۔ (بخاری:۱۴۷۷، مسلم:۴۴۸۵)

(۴) بغض وعداوت: جیسا کہ اللہ نے فرمایا کہ شیطان تمہارے درمیان شراب کے ذریعہ بغض وعداوت پیدا کرنا چاہتا ہے۔(المائدہ:۹۱) اور بغض وعداوت بلاشبہ حرام ہے۔ (بخاری: ۵۱۴۴ ۶۰۶۴، ۶۰۶۵، ۶۰۶۶، مسلم: ۲۵۵۹، ۲۵۶۳، ابوداود: ۴۹۱۰، ترمذی: ۱۹۳۵، ابن ماجہ:۳۸۴۹)

(۵) نماز کی عدم قبولیت: بادہ خوار کی نماز اللہ چالیس دن تک نہیں قبول کرتا، اور اگر وہ بغیر توبہ کے مرجائے تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔(ترمذی:۱۸۶۲، وصحہ الالبانی)

(۶) ایمان میں نقص: اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ شرابی شراب پیتے وقت مومن نہیں رہتا۔ (بخاری: ۶۷۷۲)

(۷) لعنت الٰہی کا موجب: منشیات لعنت الٰہی کا سبب ہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: "لعن الله الخمر وشاربها وساقيها وبائعها ومبتاعها وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولة إليه" (أبوداود: ۳۶۷۴، وصححه الألباني، ابن ماجه: ۳۳۸۰، مسند أحمد: ۴۷۸۷) یعنی شراب، شرابی، ساقی شراب، شراب فروش، شراب خریدنے والے، اس کو بنانے اور بنوانے والے، اس کی بار برداری کرنے والے اور جس کے لیے وہ لے جائی جارہی ہے سب پر اللہ کی لعنت ہو۔

(۸) موت: منشیات ومخدرات کا استعمال انسان کو موت تک پہنچا دیتا ہے، شریعت نے ان تمام چیزوں سے منع کیا ہے جو انسانی جان کو تلف کردیں، اللہ نے فرمایا: [وَلَا تَقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ] (النساء: ۲۹) یعنی اپنے نفسوں کو قتل نہ کرو۔

نیز فرمایا: [وَلَا تُلْقُوا۟ بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ] (البقرة: ۱۹۵) اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔

(۹) عوام الناس کو تکلیف: نشہ کرنے والا اپنے معاشرے کو نقصان پہنچا رہا ہوتا ہے، اس کے پڑوسی اس کی حرکتوں سے پریشان ہوتے ہیں، حالانکہ پڑوسی کو تکلیف پہنچانے والا شخص دوزخی ہے۔ (مسند احمد: ۹۶۷۵)

(۱۰) جہنم میں داخلہ کا سبب: نبی ﷺ نے فرمایا: "إن الله عز وجل عهد لمن يشرب المسكر أن يسقيه من طينة الخبال" یعنی اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ شرابیوں کو (جہنم میں) طینۃ الخبال پلائے گا۔ (مسلم: ۵۲۱۷) طینۃ الخبال جہنمیوں کا پیپ اور خون ہے۔

منشیات سے اجتناب کی چند تدابیر:

(۱) توبہ واستغفار۔

(۲) خشیت الٰہی۔

(۳) منشیات کی بنا پر ہونے والے اضرار ومفاسد سے آگاہی۔

(۴) اللہ سے توفیق طلب کرنا۔

(۵) خواہشات نفس کے شکنجے سے نکل کر خود کو اللہ کے تابع کرنا۔

(۶) روزے رکھنا۔

(۷) شراب اور منشیات کا بہترین بدل استعمال کرنا مثلا دودھ، جوس، سونف، الائچی، مسواک، کشمش وغیرہ۔

(۸) دوسروں کی حالت زار سے عبرت پکڑنا۔

اخیر میں اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں منشیات سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

• • •

عالم اسلام

ظل الرحمن فائق بندوی
سنٹرل لائبریری، جامعہ سلفیہ، بنارس

یمن کی مصالحت میں سعودی ولی عہد نے اہم کردار ادا کیا: گوتیریس

اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل آنتونیوگرتیریس کا کہنا ہے کہ وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ سعودی ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان اور یمنی صدر عبدربہ منصور ہادی کے ساتھ ان کی باہمی گفتگو الحدیدہ صوبے میں فائر بندی کے معاہدے تک پہنچنے میں مددگار ثابت ہوئی۔ الحدیدہ کی بندرگاہ ملک کی مرکزی بندرگاہ ہے، جس کے ذریعہ ضرورت کی اہم ترین غذائی اشیاء درآمد ہوتی ہیں۔ نیویارک میں قائم اقوام متحدہ کے صدر دفتر میں صحافیوں سے بات کرتے ہوئے اقوام متحدہ کے نائب ترجمان فرحان حق نے بتایا کہ گوتیریس کے نزدیک سعودی ولی عہد کا حصہ لینا مشاورت کے نتیجے کے لیے انتہائی اہم تھا اور یمنی صدر ہادی نے ایک مثبت کردار ادا کیا۔

واضح ہو کہ ترجمان کے مطابق مصالحت کے بعض نکات کو غالباً سلامتی کونسل کی موافقت درکار ہوگی، جس کا مطلب ایک نئی قرارداد کا اجراء ہے۔ (آواز ملک ۱۶/ ۱۲/ ۲۰۱۸ء)

آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کے لیے فلسطینیوں کے ساتھ ہیں: سعودی عرب

فلسطینی ریاست کے قیام کے لیے فلسطینیوں کے شانہ بشانہ کھڑا ہے۔ یہ یقین دہانی شاہ سلمان بن عبدالعزیز نے ریاض میں فلسطینی صدر محمود عباس سے خاص ملاقات میں کرائی ہے۔ بایں ہمہ دونوں رہنماؤں نے ملاقات میں فلسطین کی تازہ صورت حال کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا، بلکہ فلسطینی صدر محمود عباس نے سلمان اور سعودی عرب کی جانب سے فلسطینیوں کی مسلسل حمایت کو سراہا ہے۔ صدر محمود عباس کے وفد میں تنظیم آزادئ فلسطین (پی ایل او) کی ایگزیکیوٹیو کمیٹی کے سکریٹری صائب عریقات کے علاوہ دیگر وزراء بھی شامل تھے۔ (انقلاب ۱۴/ ۲/ ۲۰۱۹ء)

پائلٹ کا قبول اسلام:

ایک اطلاع کے مطابق ہوائی جہاز کے برازیلی کپتان نے دوران سفر ۱۸/ ہزار فٹ کی اونچائی پر کلمۂ لا الہ الا اللہ بلند آواز سے پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کردیا۔ یقیناً اسلام قبول کرنے کا یہ اچھوتا انداز ہے کہ اگر اللہ رب العالمین کسی کو اسلام کی ہدایت سے نوازنا چاہے تو آسمان کی فضاؤں میں بھی دے سکتا ہے۔ اس موقع پر پارٹنر کپتان عبداللہ کدانی نے انہیں کلمہ پڑھایا، جس سے ہوائی جہاز کے تمام مسافرین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہوائی جہاز فضا میں اللہ اکبر کے نعرے سے گونج اٹھا۔ (صراط مستقیم برمنگھم)

●●●

اخبار جامعہ سلفیہ بنارس

یوم جمہوریہ

حسب روایت اس سال بھی جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں ۲۶/جنوری ۲۰۱۹ء بروز سنیچر بڑے جوش وخروش اور تزک واحتشام کے ساتھ جشن یوم جمہوریہ منایا گیا۔ صبح نو بجے جامع کے میدان میں پرچم کشائی کی رسم ادا کی گئی۔ پھر طالب/عبدالعزیز کیفی اور اس کے رفقاء نے بہترین آواز وانداز میں ''ترانۂ ہندی'' پیش کیا۔ اس کے بعد ''ندوۃ الطلبہ'' کی طرف سے ایک علمی اور دلچسپ پروگرام ''قاعۃ المحاضرات'' میں زیر صدارت فضیلۃ الشیخ عبداللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ منعقد ہوا۔ تفصیل حسب ذیل ہے:

ثانویہ ثانیہ کے طالب علم اشفاق احمد عبد الاحد کی تلاوت سے پروگرام کا آغاز ہوا۔ پھر طالب/فیض اکرم محمد عظیم (عالم ثانی) نے نعت پیش کی۔ اس کے بعد کلیۃ الشریعہ سال دوم کے طالب علم ممتاز حسین نے ''آئین ہند میں اقلیتوں کو عطا کردہ حقوق'' کے عنوان پر ایک جامع مقالہ بہترین انداز میں پیش کیا۔ پھر طالب علم معین الاسلام ثناء اللہ (کلیۃ الحدیث سال دوم) نے نظم پڑھی۔ اس کے بعد کلیۃ الدعوۃ سال سوم کے طالب علم/عبدالاول محمد عرفان نے ''آئین ہند کے بنیادی حقوق اور ہم مسلمان'' کے عنوان پر خطیبانہ اسلوب میں کافی اچھی تقریر پیش کی۔

اخیر میں محترم ناظم اعلی فضیلۃ الشیخ عبد اللہ سعود صاحب سلفی حفظہ اللہ نے صدارتی خطاب پیش کیا۔

صدارتی خطاب میں محترم ناظم اعلی حفظہ اللہ نے سب سے پہلے جشن یوم جمہوریہ کے موقع سے مسرت وشادمانی کا اظہار کیا اور حاضرین کو مبارک بادی پیش کی اور بتایا کہ ہمارے دیش کا قانون وآئین بہت عمدہ ہے اور اس میں ہر ایک کے لیے رعایت رکھی گئی ہے۔ سب سے بڑے جمہوری ملک ہندوستان پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ جس طرح ہندوستان کا ایک آئین ہے اور اسے ہر کوئی مانتا ہے اسی طرح مسلمانوں کا مذہبی آئین کتاب وسنت ہے، جس کو ہمیں اپنا دستور العمل لازمی طور پر بنانا چاہیے۔ کتاب وسنت میں جن محرمات کا ذکر ہے ہمیں ان سے کلی طور پر بچنا چاہیے اور جن واجبات کا بیان ہے ان پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اس دستور العمل پر عمل کرنے میں ہماری بھلائی مضمر ہے۔ نماز پنجگانہ میں ہو رہی غفلت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ بھیانک جرم ہے اور کہا کہ نماز کی پابندی کی طرف سب کو توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔ اپنے خطاب کے اخیر میں محترم ناظم اعلی حفظہ اللہ نے پابندئ نماز سے متعلق طلبۂ جامعہ کو بڑی تاکید کی اور نماز چھوڑنے والے طلبہ پر سخت برہمی کا اظہار فرمایا اور اس سلسلہ میں سبھوں کو تاکید کرتے ہوئے ترک نماز سے کلی طور پر اجتناب کرنے کا حکم دیا۔

●●●

باب الفتاوی

سوال: عورتیں مسجد میں نماز جمعہ اور پنج وقتہ نمازیں ادا کریں تو ان کی صف بندی کیسے ہوگی۔ کیا مردوں اور عورتوں کی صفوں کے درمیان پردہ یا کسی حائل کا رہنا ضروری ہے۔ نیز امام اور مقتدی کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہئے۔ اگر عورتیں امام یا مقتدی کو دوری کی وجہ سے نہ دیکھ سکیں تو ان کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟

جواب: صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ اگر عورتیں جمعہ کی نماز پڑھنا ہی چاہتی ہیں تو ان کا انتظام وانصرام مسجد ہی میں کریں اور تمام مردوں اور بچوں کے پیچھے ان کی صفیں لگائیں، اگر درمیان میں کوئی پردہ وغیرہ ہو تو افضل و بہتر ہے، اور اگر پردہ کا انتظام نہ ہو سکے تو بھی کوئی حرج ومضائقہ نہیں عورتیں باحجاب وباپردہ رہیں۔ کیونکہ درمیان میں کسی حائل کا ہونا ضروری نہیں، یہی نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقۂ عمل سے ثابت ہے چنانچہ صحیح بخاری (۴۳۰۲) میں ہے کہ

(۱) حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری قوم نے دیکھا کہ میرے سوا کوئی دوسرا مجھ سے زیادہ قرآن کا بڑا عالم نہیں ہے تو انہوں نے مجھے آگے کر دیا، اس وقت میری عمر چھ سات برس کی تھی مزید انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس ستر پوشی کے لئے صرف ایک چھوٹی سی چادر تھی اس لئے جب میں سجدہ ریز ہوتا تو اوپر کھسک جاتی (ستر کھل جاتا) تو محلے کی ایک خاتون نے کہا کہ کیا تم اپنے قاری (امام) کے سرین کو نہیں ڈھانکو گے چنانچہ ان لوگوں نے میرے لئے قمیص خرید کر دی میں اس سے اتنا زیادہ خوش ہوا اس سے قبل کسی اور چیز سے خوش نہیں ہوا تھا۔

اس حدیث صریح سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی صفیں مردوں کی صفوں سے متصل اور قریب تھیں اسی لئے خاتون کی اپنے امام کے ستر کی طرف نظر پڑ گئی۔

(۲) صف عورتوں کی مردوں کے متصل اور قریب ہو اس کی دوسری دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”**خیر صفوف الرجال أولها وشرها آخرها وخیر صفوف النساء آخرها وشرها أولها**“ (مسلم: ۴۴۰) یعنی مردوں کی بہترین صف پہلی ہے اور بدترین آخری اور عورتوں کی بہترین صف آخری ہے اور بدترین پہلی (یہ اس وقت ہے جب مرد کے ساتھ عورتیں بھی ہوں ورنہ عورتوں کی پہلی صف ہی بہتر ہے)

اس دوسری حدیث کا ظاہر بھی یہی ہے کہ مردوں اور عورتوں کی صف دور دور نہیں بلکہ قریب قریب اور متصل ہو۔

(۳) نبی کریم ﷺ کا ایک فرمان یہ ہے کہ: ”**رصوا صفوفكم وقاربوا بينها**“ (ابوداود: ۶۶۷) یعنی تم سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح صف بندی کرو اور صفوں کو قریب قریب رکھو، صفوں کے درمیان اتنا فاصلہ نہ رکھو کہ تیسری

صف کی گنجائش نکل آئے۔

یہ حدیث بھی اس پر نص قطعی ہے کہ دو صفوں کے درمیان فاصلہ زیادہ نہ ہو خواہ صفیں مردوں کی ہوں یا عورتوں کی ہوں خواہ ملی جلی ہوں نیز اس حدیث میں صفوں کو قریب رکھنے کا حکم ہے اور یہ وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

ان تینوں حدیثوں سے یہ بات بخوبی ظاہر اور واضح ہو گئی کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قریب قریب رہنے کا حکم دیا۔ دونوں صفوں میں زیادہ فاصلہ نہ رکھو اور اس بات سے بھی منع فرمایا کہ بہت دوری پر کھڑے ہو۔ چنانچہ ارشاد رسول یوں ہے: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو صف کے پیچھے کھڑے تھے آپ نے فرمایا تم لوگ آگے بڑھو اور میری اقتدا کرو اور تمہاری اقتدا تم سے پیچھے والے کریں اس لئے کہ جو قوم پیچھے رہتی ہے اللہ تعالیٰ انہیں پیچھے ہی کر دے گا۔ (مسلم: ۹۸۲)

تو جب صورت حال یہ ہے تو مسجد کے پچاس فٹ کی دوری سے امام کی اقتدا میں نماز پڑھنی کیسے درست ہو سکتی ہے اس لئے کہ امام اور مقتدی کے درمیان اتنا بڑا فاصلہ، گویا امام اور مقتدیوں کا آپس میں کوئی رابطہ و تعلق ہی نہیں ہے یہ درست نہیں ہے۔

بلکہ عورتیں اپنے اپنے گھر میں نماز ادا کر لیں تو کوئی حرج و مضائقہ نہیں بلکہ یہی بہتر ہے اس لئے کہ ان کے لئے مسجد میں حاضری ضروری نہیں ہے بلکہ مسجد کی نسبت اپنے گھروں میں نماز پڑھ لینا افضل و بہتر ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: ”لا تمنعوا نساء کم المساجد وبیوتھن خیر لھن“ (صحیح ابوداود: ۵۳۰) اپنی عورتوں کو مسجد سے نہ روکو اور ان کے گھر ان کے لئے بہترین ہیں۔

شیخ ابن باز رحمہ اللہ اس مسئلے کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ اس طرح کی زمین (مسجد سے متصل) میں عورتوں کی نماز صحیح ہوگی کہ نہیں تو فرماتے ہیں کہ علماء کرام کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ جب عورتیں اپنے امام یا ان کے مقتدیوں کو نہ دیکھ پاتی ہوں صرف ان کی آواز ہی سنائی دیتی ہو ایسی صورت میں ان کے لئے محتاط طریقہ یہی ہے کہ وہ اس زمین میں نماز نہ پڑھیں بلکہ اپنے گھر میں پڑھ لیں الا یہ کہ مسجد میں کوئی جگہ مل جائے تو وہیں مردوں کے پیچھے پڑھ لیں یا کسی دوسری جگہ جہاں یہ رہتے ہوئے امام یا بعض مقتدیوں کو دیکھ سکیں۔ (اللجنۃ الدائمۃ: ۴/۴۱۸)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ نماز کی صحت کے لیے اتصال صفوف ضروری ہے لیکن اس میں جن علمائے کرام کے اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی تفصیل عمدۃ القاری اور فتح الباری میں ملاحظہ کر سکتے ہیں صاحب مرعاۃ نے بھی عدم اتصال صفوف کی حدیث نماز کے بطلان و فساد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (دیکھئے: مرعاۃ المفاتیح ۴/۲۴-۱۴ فتاوی شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ مبارک پوری: ۲/۲۷۳) **ھذا ما عندی، واللہ أعلم بالصواب**

دار الافتاء

جامعہ سلفیہ بنارس

نظم

نیر واحدی
استاد جامعہ سلفیہ بنارس

نا مہرباں چمن کی ہوا ہے تو کیا کروں
یہ شہر زرنگار خفا ہے تو کیا کروں

میرے لہو سے ارض وطن ہے شگفتہ رو
اہل وطن کو پھر بھی گلہ ہے تو کیا کروں

ہوں تیری نفرتوں کے نشانے پہ ہر گھڑی
میری وفاؤں کا یہ صلہ ہے تو کیا کروں

اب تک مجھی سے ہے ترے مقتل کی آبرو
غیروں کے نام پر تو فدا ہے تو کیا کروں

مجھ سے نہ رکھ امید قدم بوسی کی کبھی
شہر ستم میں تیرے روا ہے تو کیا کروں

نیر بدن کے زخم چھپاؤں کہاں کہاں
صد چاک زندگی کی قبا ہے تو کیا کروں

☆☆☆